عمرِ عائشہؓ کی تحقیق

اور

کاندھلوی تلبیس کا ازالہ

مُصنّف

حافظ ثناء اللہ ضیا حفظہ اللہ

ناشر



اِدارہ تحقیقاتِ سلفیہ کراچی پاکستان

پی۔او۔بکس نمبر 6524، پوسٹ کوڈ نمبر 74000۔کراچی، پاکستان فون:7510419

عمر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تحقیق

اور

کاندھلوی تلبیس کا ازالہ

مصنف

مشہور مناظر و محقق ماہر فن حدیث

الشیخ حافظ ثناء اللہ ضیاء مدظلہ'

مقدمہ

قاری خلیل الرحمٰن جاوید

دیباچہ

سید عامر نجیب

ادارہ تحقیقات سلفیہ

پی او بکس نمبر 6524 پوسٹ کوڈ 74000 کراچی پاکستان

سلسلہ مطبوعات ادارہ تحقیقات سلفیہ (4)

نام	:	عمر عائشہؓ کی تحقیق اور کاندھلوی تلبیس کا ازالہ
مصنف	:	مناظر اسلام حافظ ثناء اللہ ضیاء
مقدمہ	:	ابوانشاء قاری خلیل الرحمن جاوید
دیباچہ	:	سید عامر نجیب
تعداد	:	گیارہ سو
طبع جدید	:	اوّل
قیمت	:	
سن اشاعت	:	ستمبر 2002ء
کمپوزنگ	:	ڈیسنٹ پرنٹ انٹر پرائزز فون: 2631302
ناشر	:	ادارہ تحقیقات سلفیہ کراچی' پاکستان

ادارہ کی مطبوعات مندرجہ ذیل پتوں سے مل سکتی ہیں

ادارہ تحقیقات سلفیہ

پی او بکس نمبر 6524 پوسٹ کوڈ 74000 کراچی' پاکستان



فہرست کتاب

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
	حرف آغاز از ناشر	1
	مقدمہ	2
	دیباچہ	3
	عرض مؤلف	4
17	وجہ تالیف	5
19	ابتدائی چار دلائل کے جوابات	6
23	یعقوب بن شیبہ کی ہشام بن عروہ کے بارے میں جرح	7
31	واقعہ انشقاق قمر	8
36	ابن ماجہ کے ترجمہ میں تحریف	9
37	روایت کی اسنادی حیثیت	10
39	غزوہ بدر اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا	11
41	محترمہ عائشہؓ کی غزوہ بدر میں شرکت	12
43	محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی	13
45	کاندھلوی صاحب کی تضاد بیانی	14
47	حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر	15
48	علامہ ذہبی کا قول اور کاندھلوی صاحب کی خیانت	16

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
17	خارجی دلائل سے بضع کا تعین	48
18	حافظ ابن حجر کی تحقیق	49
19	علامہ ذہبی کا بیان	50
20	السابقون الاولون کی تحقیق	52
21	کاندھلوی صاحب کا جھوٹ	57
22	کاندھلوی صاحب کی عربی دانی	60
23	نبی مکرم ﷺ کا کنواری لڑکی کو بکر اور جاریۃ کہنا	61
24	کاندھلوی صاحب کے خود ساختۂ اصول	64
25	امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا فتویٰ	65
26	کاندھلوی صاحب کی جہالت	67
27	یہودیوں کا شیوہ	69
28	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے سے استدلال	72
29	حضرت عائشہؓ کا علم وفضل اور کاندھلوی صاحب کا تجاہل عارفانہ	73
30	کنیت کا مسئلہ	76
31	غزوہ احد کا واقعہ	77
32	کمسن لڑکیوں کا نکاح	77
33	آخری دلیل کا جواب	78

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز از ناشر

الحمدللہ رب العلمین و الصلوۃ و السلام علی اشرف الانبیاء و المرسلین اما بعد

کافی عرصہ سے ایک منظم سازش کے ذریعے بعض نام نہاد مفکرین اور منکرین رسالت و حدیث حضرات نے لوگوں کو حدیث شریف و سنت نبوی ﷺ سے متنفر، بدظن اور دور کرنے کے لئے وسیع پیمانے پر شورش برپا کر رکھی ہے۔ اس مہم میں تو منکرین حدیث و رسالت جو دراصل منکرین قرآن بھی ہیں بڑے ہی زور و شور سے سرگرم عمل اور بھرپور انداز میں جدوجہد کر رہے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے خواہشات نفسانی کی پرستش اور بے دینی کی اس تحریک میں کچھ حنفی علماء اور نام نہاد محقق صاحبان بھی ان کے شریک قافلہ ہیں۔ اس طبقہ کی تنقید کا سب سے زیادہ نشانہ صحیح بخاری شریف کی وہ حدیث ہے جس میں تاجدار حرم ﷺ کے ساتھ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے وقت 6 سال عمر بیان کی گئی ہے۔ اس گروہ کے سرخیل افراد آئے دن نت نئے انداز میں اس حدیث کے خلاف من گھڑت، بے ہودہ، فرضی و خیال مفروضے گڑھ کر عوام الناس میں شکوک و شبہات پھیلاتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے کی ایک کڑی محترم جناب حبیب الرحمٰن کاندھلوی صاحب کا نام نہاد تحقیقی کارنامہ ''تحقیق عمر عائشہ رضی اللہ عنہا'' بھی ہے۔ کاندھلوی صاحب نے اپنی اس کتاب میں جس طرح تحقیق کے نام پر تحریف و خیانت اور بددیانتی کا بازار گرم کیا ہے۔ ان مغالطات و اشکالات اور انکشافی اعتراضات کا جواب ہماری جماعت کے ممتاز مناظر و محقق الاستاذ فضیلۃ الشیخ محترم جناب حافظ ثناء اللہ ضیاء صاحب حفظ اللہ تعالیٰ نے دے کر اہل حق کی رہنمائی کا بندوبست فرمایا ہے۔ حافظ صاحب کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ علم و عمل کا حسین امتزاج اور اس گئے گزرے دور میں اکابر اہل حدیث کے تابندہ و درخشاں ماضی کی یادگار ہیں۔ حافظ صاحب نے اپنی اس تصنیف میں محدثین

کا مسلک وفن اسماء الرجال کے حوالے سے اس روایت کی مکمل چھان بین کرنے کے ساتھ ساتھ ان عقلی ونقلی اعتراضات ودلائل کے بھی کافی وشافی جوابات دیے ہیں جو منکرین حدیث کی طرف سے اس حدیث پر اکثر وارد ہوتے آئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہم نے کتاب میں ایک اخباری تراشہ بھی شامل کیا ہے جس میں یہ بات مذکور ہے کہ پنجاب کے ایک گاؤں میں ایک دس سالہ لڑکی نے بچہ کو جنم دیا۔ دور حاضر میں پیش آنے والا یہ واقعہ گویا قدرت کی طرف سے فطری اعتبار سے اس روایت کا انکار کرنے والوں کو ایک جواب ہے اس سلسلے میں محترم جناب فضیلۃ الشیخ قاری خلیل الرحمٰن جاوید (مدیر جامعۃ الاحسان الاسلامیہ) کا انتہائی شکر گزار ہوں جنھوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس کتاب پر فصیح وبلیغ علمی مقدمہ تحریر فرما کر اس کتاب کی افادیت کو دوچند کیا۔ ان کے ساتھ برادرم سید عامر نجیب (سابق مدیر اعلیٰ ماہنامہ صراط مستقیم کراچی) کا بھی تہہ دل سے ممنون ہوں جنھوں نے بڑی ہی محنت اور احتیاط سے کتاب کی پروف ریڈنگ کی اور ساتھ ہی کتاب کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ایک عمدہ علمی مقالہ عنایت فرمایا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مصنف وناشرین کے لیے ذریعہ نجات بنائے اور باطل کا ابطال فرمائے واہل حق کو اس سے کماحقہ مستفید ہونے کے ساتھ ان کا بول بالا فرمائے، آمین۔

وما علینا الا البلاغ

خاکسار

حافظ محمد نعیم، کراچی

۴ جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ

بروز بدھ 14 اگست 2002ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمدللّٰہِ وحدہ ولصلوۃ والسلام علیٰ من لانبیَّ بعدہ' امابعد

اسلام کو روز اوّل سے جن فتنوں اور مصائب سے دوچار ہونا پڑا اگر کسی دوسرے مذہب کو ان فتنوں سے واسطہ پڑتا تو وہ مذہب یکسر پس کر رہ جاتا اور اس کی خاک کو بھی مخالف ہوائیں اڑا کر لے جاتیں۔ لیکن اسلام ان تند و تیز طوفانی ہواؤں میں روشنی کے بلند مینار کی طرح قائم ہے۔ اس کی دلفریب تجلیاں تاریکیوں کا سینہ چیرتی ہوئیں گرداب و تلاطم میں پھنسے ہوئے سفینوں کو سلامتی کے ساحل تک پہنچا رہی ہیں۔ اور انشاء اللہ اسلام کا یہ مینار تا قیامت یونہی ضیاء پاش رہے گا۔

اگر چہ اسلام دشمن عناصر نے ہر زاویے سے اسلام کو نشانہ بنانے کی کوشش کی ہے جس کا جیتا جاگتا ثبوت حدیث کے خلاف شائع ہونے والا لٹریچر ہے۔ یہ لٹریچر جس عجلت اور جس لب و لہجے سے شائع کیا جارہا ہے وہ اصحاب سنت سے مخفی نہیں ہے اور اس کے متعلق جس قدر ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو قرآن اور سنت کو تاویل اور تقلید کے بغیر مانتے ہیں وہ بھی ارباب سنت پر عیاں ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق علم دین سے بے بہرہ لوگ اپنی مسندوں پر تکیہ لگائے انکار سنت کا درس دے رہے ہیں ان لوگوں کو دیکھ کر ایک مسلمان کا رسول اکرم ﷺ کی حقانیت اور صداقت پر ایمان اور پختہ ہوجاتا ہے کہ آپ ﷺ نے آج سے چودہ سو برس پیش تر جن گمراہ لوگوں کی پیش گوئی فرمائی وہ آج حرف بہ حرف پوری ہورہی ہے۔ ہمارے برصغیر میں انیسویں صدی کے آخر میں اس کی ابتداء کرنے والے سر سید احمد خان اور مولوی چراغ علی تھے۔ ان کے بعد مولوی غلام نبی المعروف' عبداللہ چکڑالوی' مولوی محمد رمضان' رشید الدولہ' مولوی اسلم جیراج پوری' ڈاکٹر غلام احمد پرویز اور ڈاکٹر غلام جیلانی برق وغیرہ نے اسے پروان چڑھایا۔ اگر چہ غلام احمد پرویز کے بعد یہ تحریک کافی حد تک دب چکی ہے تاہم ان کے پیروکار اہل سنت کا لبادہ اوڑھ کر سابقہ منکرین حدیث کے چبائے ہوئے نوالوں سے اپنے انداز میں جگالی کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں جن میں حبیب الرحمٰن کاندھلوی' جاوید احمد غامدی' ملک معراج خالد اور دیگر چند معروف اور غیر معروف شخصیات بھی شامل ہیں جو اس مردہ گھوڑے کو پھر سے کھڑا کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ جبکہ رسول اکرم ﷺ

کے دو فرامین اس امت کو صحیح فکر اور صحیح نہج فراہم کرنے میں مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

انا خاتم النبیین لانبی بعدہ (میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کسی نبی نے نہیں آنا)

اور دوسرا فرمان ہے: العلماء ورثۃ الانبیاء (علماء انبیاء کے وارث ہیں)

جس کے معنی یہ ہیں کہ دین کی حفاظت کا جو کام ربّ کریم اپنے انبیاء سے لیا کرتا تھا اب نبوت کی تکمیل کے بعد اللہ رب العزت وہ کام اس وقت کے علماء سے لے گا۔ اور اس حدیث کی روشنی میں علماء حق کی یہ ذمہ داری ہے اس قسم کی تمام باطل تحریکوں، باطل شخصیتوں، باطل تحریروں، باطل تقریروں اور باطل اداروں کے خلاف دامِ درہم، سخن کمربستہ ہوکر ایسی تمام قوتوں کو دلائل و براہین کی بنیاد پر پارہ پارہ کردیں۔ چنانچہ زیر نظر کتاب ہمارے فاضل دوست مناظر اسلام اور علم و تحقیق کے گرویدہ محترم جناب حافظ ثناء اللہ صاحب ضیاء کی نہایت پرمغز تحریر ہے۔ اس میں جناب حبیب الرحمٰن کاندھلوی اور ان کے ہم نواؤں کی طرف سے عمر عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں پھیلائے ہوئے گمراہ کن اور حقیقت سے عاری افکار و نظریات کا کافی وشافی جواب ہے۔

کتاب کی چند خصوصیات:

۱۔ طریقہ استدلال خالصتاً محدثانہ اصول وقواعد کے عین مطابق ہے۔

۲۔ تمام دلائل کے ماخذ صرف اور صرف قرآن وسنت تک محدود ہیں البتہ رواۃ کی صحت وعدم صحت کے لئے انہی مسلمہ اصولوں کو مدنظر رکھا گیا ہے جو اسلاف سے اب تک علماء حق کے پیش نظر رہے ہیں۔

۳۔ جناب کاندھلوی صاحب کے خودساختہ اصولوں کو نہ صرف دلائل سے رد کیا ہے بلکہ برمحل اور برموقعہ ان کی ان علمی خیانتوں اور بددیانتی کی نشاندہی بھی کی ہے۔

۴۔ منقولات کے ساتھ ساتھ قارئین کی دلچسپی کے لئے معقولات کا بھی مناسب اہتمام کیا گیا ہے

ہماری یہ دعا ہے کہ اللہ ربّ العالمین فاضل مصنف کی اس مقدس کوشش کو اپنی جناب میں قبول و مقبول فرمائے اور قارئین کے استفادے کے لئے اس کے فیض کو عام فرمائے اور محترم حافظ صاحب کے لئے اس تحریر کو صدقہ جاریہ بنائے۔ اس کتاب کا ہر لائبریری میں ہونا ایک خوبصورت اور علمی اضافہ ثابت ہوگا۔ بالخصوص تحقیقی ذوق رکھنے والوں کے لئے ایک نادر تحفہ ہے۔

فقط والسلام

خادم دین ابوالثناء قاری خلیل الرحمان جاوید (مدیر)

جامعۃ الاسلامیۃ منظور کالونی کراچی

D.M.A.UK

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

افسوس فکری ونظریاتی اختلاف ہمارے معاشرے میں فیشن بنتا جارہا ہے۔ اصل میں ہم اپنے کام کی بنیاد پر ہیرو بننے کے بجائے اختلاف کی بنیاد پر معاشرے میں منفرد مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اہمیت اور لوگوں کی توجہ کے حصول کے لئے یہ ایک شارٹ کٹ ہے۔ اختلاف کا شارٹ کٹ استعمال کرنے والے یہ بھی جانتے ہیں کہ جتنی بڑی اور معتبر شخصیت سے اختلاف کیا جائے اتنی زیادہ اہمیت ملتی ہے، جتنے زیادہ مسلمہ اور متفق علیہ مسئلے پر اختلاف کیا جائے اتنی زیادہ توجہ ملتی ہے اور جتنے اہم مسئلے پر کیا جائے اتنا ہی اہم مقام مل جاتا ہے اسی لئے توجہ اور اہمیت حاصل کرنے کے حریص اختلاف کیلئے معتبر شخصیات متفق علیہ اور اہم مسائل کا انتخاب کرتے ہیں۔ یہ وہ روش ہے جس نے امت کی وحدت کو پارہ پارہ کردیا ہے ہر مکتبہ فکر لاتعداد مکاتب فکر میں تقسیم ہو چکا ہے۔ فکری آوارہ گردی کچھ لوگوں کا شوق اور مشغلہ ہے ان کی انانیت کی تسکین کا ذریعہ ہے۔ لیکن ایک عام مسلمان اس فکری انتشار سے گھبرا کر دین سے باغی اور بیزار ہورہا ہے المیہ ہے کہ اصحاب رسولؐ ائمہ دین' محدثین' فقہا اور علماء سلف بھی کافر' مشرک بددیانت اور منافق جیسے سنگین فتوؤں کی زد میں ہیں اور یہ فتوے اہل تشیع کے نہیں بلکہ بعض سنی مکاتب فکر کے دور حاضر میں ''مایہ ناز محققین'' کے ہیں۔

دینی معاملات سے متعلق قابل اعتبار تحقیق کے لئے اخلاص نیت اور آخرت میں جوابدہی کا احساس لازمی شرط ہے اور جو محقق یہ شرط پوری کرتا ہے اس کی تحقیق ادب' سنجیدگی' احتیاط اور تشکیک سے مرکب ہوتی ہے اس میں طعن وطنز' بے احتیاطی' احساس برتری اور حد سے زیادہ خود اعتمادی نہیں ہوتی۔ تحقیق کی کچھ حدود وقیود ہیں ہم ہر مسئلے کو اپنی تحقیق کا موضوع نہیں بنا سکتے۔ اگر ایسا کریں گے تو

گمراہی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا مثلاً دور جدید کے بعض ''محققین'' نے نماز کی کسی خاص ہیئت کا انکار کیا اگر کوئی تحقیق کرنے لگ جائے کہ اس پوری کائنات کو اللہ نے پیدا کیا اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ ایسے محقق کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ایک مسلمہ مسئلے سے اختلاف کرنے والے عموماً یہ دلیل دیتے ہیں کہ اسلاف میں سے جنہوں نے اس مسئلے کو تسلیم کیا ہے وہ معصوم عن الخطاء نہیں تھے۔ یہ دلیل ایک فریب کے سوا کچھ نہیں اگر معصوم عن الخطاء نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی کوئی بات قابل اعتبار نہیں تو جناب بتایئے پھر آپ کس چیز پر اعتبار کریں گے اسلام کُل کا کُل ایسے انسانوں کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے جو معصوم عن الخطاء نہیں تھے۔ تحقیق کی بنیاد محض مفروضوں پر بھی قائم نہیں کی جاسکتی اس کے لئے دلائل و براہین درکار ہوتے ہیں۔ عمر عائشہؓ سے متعلق اپنی تحقیق میں مولانا حبیب الرحمٰن کاندھلوی مرحوم نے بنیاد اس مفروضے کو بنایا ہے کہ ''جملہ بولا گیا تھا تسع عشرہ (انیس ۱۹) اور راوی نے صرف تسع (نو) کا لفظ سنا اور اس طرح اس داستان نے جنم لیا۔'' اس مفروضے کی تائید میں موصوف نے دلائل جمع کئے ہیں گویا اس تحقیق کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہے محض ایک مفروضہ ہے۔ دینی معاملات میں یہ ایک نہایت غیر محتاط طرز عمل ہے جو کاندھلوی صاحب نے اختیار کیا یہ کوئی سائنسی ریسرچ نہیں تھی جس کا سفر غیر معلوم سے معلوم کی طرف ہو۔

ریاضی (Maths) میں کسی طالب علم نے سو میں سے سو نمبر حاصل کئے۔ کیا اس استاد کو جس نے سو میں سے پورے نمبر دیئے یہ کہا جائے گا کہ اس نے طالب علم کو معصوم عن الخطاء سمجھ لیا ہے؟ جی نہیں ایسا نہیں سمجھا جائے گا بلکہ یہ کہا جائے گا کہ کیونکہ طالب علم نے تمام سوالات کے جوابات ریاضی کے اصولوں کے مطابق بالکل صحیح دیئے ہیں اس لئے اسے سو میں سے سو نمبر دیئے گئے بالکل یہی معاملہ صحیح بخاری کا ہے جو اہلسنت کے نزدیک متفق علیہ حدیث کی کتاب ہے۔ علم حدیث کے ماہرین نے اس کی صحت پر سو فیصد اعتبار کیا ہے کیونکہ اس میں موجود احادیث حدیث کے اعلیٰ معیار پر پوری اترتی ہیں۔ صحیح بخاری کی صحت کو قابل اعتبار قرار دینا اس کی علمی حیثیت کو تسلیم کرنا ہے نہ کہ صاحب کتاب اور اس کے راویان کو معصوم عن الخطاء مان لینا ہے۔

نہ امام بخاریؒ معصوم عن الخطاء تھے اور نہ صحیح بخاری کے راویان لیکن ہمارا کہنا یہ ہے کہ ان کے ضعف، ان کی کمزوری اور ان کی خطا کو اصول حدیث کی کسوٹی پر ثابت تو کیا جائے محض مفروضے اور الزامات تو کسی دعوے کو ثابت نہیں کر سکتے۔

محترم کاندھلوی صاحب کے بقول عمر عائشہؓ والی روایت کو تسلیم کرنے سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر حرف آتا ہے مخالفین اسلام کو آپؐ کی ذات پر کیچڑ اچھالنے کا موقع ملتا ہے۔ ان کا یہ کہنا اس وجہ سے ہے کہ وہ اردگرد کے ماحول کے زیر اثر ہیں جہاں کم عمر لڑکی سے ادھیڑ عمر مرد اور کم عمر لڑکے سے ادھیڑ عمر عورت کی شادی نہایت معیوب سمجھی جاتی ہے۔ نکاح اور رخصتی کے وقت عمر عائشہؓ کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے قدیم عرب کی معاشرتی اقدار اور جغرافیائی صورتحال کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ قرآن کریم میں لونڈی اور غلاموں سے متعلق احکامات ملتے ہیں لیکن ظاہر ہے ہمارے دور میں یہ سسٹم ختم ہو چکا ہے۔ اگر ہم غیر مسلموں کے اعتراضات سے اثر پذیر ہوں پھر تو ہمیں رسول اللہ ﷺ کی گیارہ شادیوں کا بھی انکار کر دینا چاہئے کیونکہ اس طرح تو مستشرقین کو پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی ذات پر کیچڑ اچھالنے کا زیادہ بڑا موقع مل رہا ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کی سیرت و کردار کی پاکیزگی اتنی واضح ہے کہ کوئی مستشرق کسی بھی دلیل سے اسے قطعی دھندلا نہیں سکا بلکہ اکثر غیر مسلموں نے بھی آپؐ کے اخلاق و کردار کی رفعت کا اعتراف کیا ہے۔

قابل صد احترام حافظ ثناء اللہ ضیاء صاحب اس وقت پاکستان میں فن حدیث کے چند گنے چنے ماہرین میں سے ایک ہیں۔ اپنے علم کے ساتھ ساتھ اخلاص اور سادگی میں بھی ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ ماہنامہ صراط مستقیم کے صفحات میں جب مولانا حبیب الرحمٰن کاندھلوی مرحوم کی کتاب "تحقیق عمر عائشہؓ" قسط وار شائع ہونا شروع ہوئی تو حافظ صاحب نے بعض ساتھیوں کے اصرار پر اس تحقیق کا تعاقب کیا چنانچہ آپ کا یہ تعاقب اور جواب بھی صراط مستقیم کی دوسری جلد میں قسط وار شائع ہوا۔ صراط مستقیم کے قارئین میں یہ سلسلہ بہت مقبول ہوا اور لوگوں نے اس سے بھرپور استفادہ کیا۔ کاندھلوی صاحب تو ان سلسلوں کی اشاعت کے وقت اس دنیا سے کوچ کر چکے تھے البتہ ان کے

معتقدین میں سے کچھ احباب حافظ صاحب کے اس تعاقب پر کافی چیں بچیں ہوئے۔ حافظ صاحب نے انہیں تحریری وزبانی مناظرے کی پیشکش کی لیکن ان میں سے کوئی ہمت نہ کر سکا۔

کاندھلوی صاحب نے اپنے موقف کی تائید میں کل چوبیس دلیلیں دی تھیں جن میں سے انیس کے جوابات ماہنامہ صراط مستقیم کراچی کی دوسری جلد میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان انیس دلائل کے جوابات کے ساتھ باقی ماندہ پانچ دلائل کے جوابات بھی یکجا کر کے شائع کئے جا رہے ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت برادرم حافظ محمد نعیم صاحب و شیخ محمد یوسف صاحب کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے آمین۔

اس کتاب میں محترم حافظ ثناء اللہ ضیاء صاحب نے کاندھلوی صاحب کے دلائل کا نہایت مدلل جواب دیا ہے کاندھلوی صاحب کی کتاب میں موجود تضادات واضح کر کے اور بعض جگہ ان کی علمی بددیانتی کی نشاندہی کر کے حافظ صاحب نے ہم جیسے طالبعلموں کو محتاط رہنے کا درس دیا ہے جو اپنی کم علمی کی وجہ سے رہزنی کو رہنمائی سمجھ سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حافظ صاحب کی اس محنت کو قبول فرمائے جو انہوں نے دین حق کے علمی دفاع کے لئے کی ہے' آمین۔

سید عامر نجیب
(سابق مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''صراط مستقیم'' کراچی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مؤلف

ابتداء بلوغت، انتہاء عمر، صحت اور بیماری وہ عناصر ہیں جو بڑی حد تک غذا اور موسمی حالات سے متاثر ہوتے رہتے ہیں، غذا اور حالات کے تبدیل ہونے سے ان میں کمی بیشی اور نوعیت کی تبدیلی حیران کن نہیں ہونی چاہئے۔ کسی ایک علاقے اور ایک زمانہ کے لوگوں کے درج بالا احوال کو دیکھ کر یہ یقین کر لینا کہ دنیا بھر کے لوگ انہیں ضابطوں کی حسین زلفوں کے اسیر ہیں بڑی حماقت اور کج روی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک ہزار برس کے قریب عمر پائی اور آخر وقت تک ان کی جسمانی اور دماغی صلاحیتوں میں غیر معمولی کمی واقع نہیں ہوئی۔ عہد حاضر کے بوڑھے کی کمان نما کمر لاغر پن اور دماغی عدم توازن کے آئینوں میں حضرت نوح علیہ السلام کا عکس دیکھنا محض خود فریبی ہوگی آج بھی دنیا بھر کے لوگوں کی عمروں میں مساوی تناسب موجود نہیں۔ بعض خطوں کے لوگ دیگر علاقوں سے زیادہ طویل عمر پاتے ہیں یہی حالت ابتداء بلوغت کی ہے آج بھی دنیا بھر تمام ہم عمر مرد و زن نہ ایک ساتھ بالغ ہوتے ہیں اور نہ ایک ساتھ لقمہ اجل بنتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مرد و زن کیلئے ابتداء بلوغت کو عمر کے کسی خاص سال سے مشروط نہیں کیا بلکہ عمل زوجیت کی صلاحیت یا زیر ناف بال آجانے کو بلوغت سے تعبیر کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سمیت تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نکاح کیلئے بلوغت شرط نہیں البتہ خلوت صحیفہ کیلئے بلوغت شرط ہے اس فتویٰ کا دار و مدار محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی بخاری شریف کی اس صحیح حدیث پر ہے کہ نکاح کے وقت ان کی عمر چھ برس اور رخصتی کے وقت ان کی عمر نو سال تھی نہ صرف امام بخاری بلکہ تمام نامور محدثین اور نقاد نے اس حدیث کی صحت پر اتفاق کیا ہے جب یہ حقیقت ہے تو پھر کاندھلوی صاحب نے حنفی مقلد ہونے کے باوجود اس حدیث کی صحت سے انکار کیوں کیا؟

نہ صرف صحت حدیث سے انکار کیا بلکہ فقہاء پر بھی برہمی کا اظہار کیا آخر اس کا سبب کیا ہے؟

اس کا اصل سبب تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے مگر راقم کی سمجھ میں جو آیا ہے وہ درج ذیل ہے۔

(۱) منکرین حدیث کے ایک گروہ نے اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کیلئے حنفیت کا لباس زیب تن کرلیا تاکہ وہ سادہ لوح مسلمانوں کو آسانی سے گمراہ کرسکیں۔

(۲) اہل سنت کے تمام مکاتب فکر کا اتفاق ہے کہ قرآن حکیم کے بعد بخاری اور مسلم اصح الکتب ہیں۔ چونکہ بخاری اور مسلم کی وہ احادیث جو خصوصاً نماز سے متعلق ہیں ان سے مسلک اہلحدیث کو تقویت ملتی ہے جبکہ مسلک احناف کا رد ہوتا ہے اس لئے کاندھلوی اور ان کے رفقاء کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ حدیث عائشہ کو بنیاد بنا کر صحت بخاری کو چیلنج کیا جائے اور اگر وہ اس میں کامیاب ہوگئے تو یقیناً عوام میں یہ تاثر ابھرے گا کہ بخاری و مسلم میں ضعیف احادیث موجود ہیں جب یہ تاثر قائم ہوجائے گا تو پھر بخاری و مسلم کی نماز سے متعلق احادیث کی صحت کو بھی چیلنج کیا جاسکتا ہے۔

ہم نے کاندھلوی صاحب کی اس کتاب کا جواب فقط اس لئے دیا تاکہ بخاری و مسلم کی صحت کے بارے میں غلط تاثر قائم کرنے کو دلائل و براہین کی روشنی میں روکا جائے۔

حافظ ثناء اللہ ضیاء

(22 جون 2002ء)

وجہ تالیف

مجھے بحمد اللہ ایسے اساتذہ سے تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا جو اسلاف کی پگڑی اچھالنے کو ناپسند کرتے تھے۔ خصوصاً خلفائے بنو امیہ کے خلاف لب کشائی کرنے کو نہایت برا جانتے تھے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۷۷ء میں کراچی پہنچا تو میرے قریبی مراسم ایک ایسے صاحب سے ہوگئے جو بنو امیہ کے حمایتی افراد کے گروہ سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ میں بھی چونکہ اہل تشیع کا مخالف اور بنو امیہ کا مداح تھا (اور ہوں) اس لئے اس گروہ سے انسیت رکھنا ایک فطری عمل تھا۔ میں نے اسی دور میں اہل تشیع کے خلاف اور بنو امیہ کی صفائی میں دو رسالے تحریر کئے۔ ایک رسالے کا نام ''سبائیت کا نصب العین'' اور دوسرے کا نام ''قرآن اہل تشیع کی نظر میں'' تھا۔

میں یہ سمجھتا تھا کہ اس گروہ کے ساتھ میرے تعلقات مضبوط تر اور دیرپا رہیں گے اور یہ بھی مجھے بیگانہ تصور نہ کرتے تھے۔ اس ناطے مجھے ان کی نجی محفلوں میں بیٹھنے کے مواقع میسر آئے جب یہ حضرات اپنی نجی محفلوں میں بیٹھتے تو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں وہی کچھ کہتے جو کچھ اہل تشیع ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور دیگر صحابہؓ کے بارے میں کہتے ہیں اور بریلوی حضرات مروانؒ بن حکم، معاویہؓ بن ابی سفیانؓ اور یزید رحمہ اللہ علیہ کے بارے میں اور بعض اہلحدیث مولوی مروانؒ بن حکم اور یزید بن معاویہ رحمہ اللہ کے بارے میں کہتے ہیں۔ جب مجھ پر یہ حقیقت آشکارہ ہوگئی تو میں ان کی مجالس میں شریک ہونے سے احتراز کرنے لگا۔ اسی دوران مجھے عزیز احمد صدیقی کا رسالہ ''اسلام کہاں ہے؟'' اور فیض عالم صدیقی کی کتاب ''صدیقہ کائنات'' پڑھنے کا موقع ملا۔ ان کتابوں کا تقریباً ہر ایک جملہ فتنہ انکار حدیث کے زہر میں بجھا ہوا تھا۔ میں اہل تشیع کا مخالف اور بنو امیہ کا مداح ضرور تھا، مگر مجھے شیعہ فوبیا نہیں ہوا تھا۔ اس لئے حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے ہوئے ''منکرین حدیث پر ایک نظر'' کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا جس میں فیض

عالم صدیقی اور عزیز احمد صدیقی کی طرف سے احادیث اور محدثین کرام پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات دیئے۔ یہ وہ موڑ تھا جہاں پہنچ کر میرے ان سے وہ تعلقات منقطع ہو گئے جنہیں میں مضبوط تر اور دیرپا سمجھتا تھا۔

حبیب الرحمٰن کاندھلوی صاحب بھی اسی گروہ کے سرخیل تھے، ان کی نجی محفلوں میں موصوف کا ذکر خیر بھی ہوا کرتا تھا، مگر میری ان سے ملاقات نہیں ہوئی اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ موصوف اس وقت دار فنا میں تھے یا دار بقا میں۔

گزشتہ دنوں ایک دوست مرتضیٰ صاحب نے مجھ سے کہا کہ صراط مستقیم میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر پر تحقیقی مضمون چھپ رہا ہے۔ اس کی دو قسطیں چھپ چکی ہیں۔ مضمون نگار نے یہ ثابت کیا ہے کہ نکاح کے وقت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نو سال نہیں بلکہ انیس سال تھی، میں نے ان سے پوچھا یہ کس کا مضمون ہے۔ انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ میں چونکہ اس عنوان پر اس گروہ سے وابستہ دو افراد کی تحقیق پہلے ہی پڑھ چکا تھا، اس لئے میں نے مرتضیٰ بھائی سے کہا یہ وہ لوگ ہیں جنہیں شیعہ فوبیا ہوا ہے۔ مگر وہ بار بار اصرار کرتے رہے کہ آپ ضرور پڑھئے۔ اسی دوران مجھے یہ خیال آیا کہ بھائی نسیم احمد باغپتی صاحب نے صراط مستقیم کے جو دو شمارے مجھے بھیجے ہیں، کہیں وہ اسی مضمون کی وجہ سے تو نہیں بھیجے۔ دیکھا تو یہی وہ دو شمارے تھے جن کا مرتضیٰ بھی تذکرہ کر رہے تھے۔

مورخہ ۹/۸/۹۵ کو صبح ناشتہ سے فارغ ہو کر دونوں اقساط کا نہایت غور سے مطالعہ کیا مگر میں نے ان میں کوئی نئی بات نہ پائی۔ نئی بات ہو بھی کیسے سکتی تھی، کیونکہ یہ مضمون کاندھلوی صاب کا تھا اور میں اس عنوان پر ان کے ساتھیوں کی تحقیق تقریباً پندرہ سال قبل پڑھ چکا تھا، اس لئے جواب لکھنے کے لئے دل میں کوئی تحریک پیدا نہ ہوئی۔ مضمون پڑھنے کے بعد اگر میری نگاہ ادارے کے وضاحتی نوٹ پر نہ پڑتی تو میں کبھی بھی اس بحث میں نہ پڑتا۔

ادارے کی طرف سے مضمون کے آغاز میں یہ افتتاحی کلمات تحریر کئے گئے ہیں کہ یہ مسئلہ علماء کے مابین اختلافی رہا ہے۔ میں موقر جریدے کی انتظامیہ سے مودبانہ التماس کرتا ہوں کہ جسے آپ اختلافی لکھ رہے ہیں یہ روایت نہ صرف متفق علیہ ہے بلکہ اس روایت کو صحاح ستہ کے علاوہ دارمی، حمیدی اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے اور کسی محدث نے اس پر کلام نہیں کیا۔ کتب احادیث کے شارحین میں نمایاں نام حافظ ابن حجرؒ، امام نوویؒ اور علامہ منذریؒ کے ہیں، انہوں نے بھی اس

روایت پر شک نہیں کیا۔ علامہ ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیم اور قاضی شوکانی علم حدیث وتفسیر کے بحرِ عمیق ہیں ان میں سے کسی ایک نے بھی اس روایت کا رد نہیں کیا۔ پاک و ہند میں بھی نامور علماء حدیث گزرے ہیں، مگر کسی نے اس روایت کی تردید نہیں فرمائی۔ جناب پھر وہ کونسے علماء ہیں جن کے مابین یہ مسئلہ اختلافی رہا ہے؟

اگر اختلاف سے مراد آپ کے نزدیک ان حضرات کی آراء ہیں جو فتنہ انکار حدیث کے داعی یا ان سے متاثر یا مرعوب ہیں تو جناب سے نہایت ادب سے یہ التماس کرتا ہوں کہ ایک اس سے بھی اہم مسئلہ ہے اور اس میں اس سے کہیں شدید اختلاف ہے۔ وہ ہے مسئلہ ختم نبوت، آپ جانتے ہیں کہ اسود عنسی اور مسیلمہ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں نبوت کا دعویٰ کر کے عقیدہ ختم نبوت سے اختلاف کا آغاز کر دیا تھا۔ اب تک سینکڑوں متنبی گزر چکے ہیں۔ کیا ان کذابوں کے اقوال باطلہ کو بھی اپنے موقر جریدے میں یہ لکھ کر جگہ دیں گے کہ یہ مسئلہ حیات طیبہ سے اختلافی چلا آ رہا ہے۔

ابتدائی چار دلائل کے جوابات

پہلی قسط تمہید پر مبنی ہے موصوف نے تمہید میں درج ذیل مفروضے قائم کئے ہیں:

(۱) حدیث علم ظنی ہیں۔ (۲) احادیث کے مرتب کنندہ انسان تھے جن سے خطا اور نسیان کا سرزد ہونا فطری عمل ہے۔ (۳) اہل تشیع کے نزدیک بارہ معصومین ہیں جبکہ ہمارے نزدیک لاکھوں ہیں۔ (۴) جو حدیث عقل صریح کے خلاف ہو اسے دیوار پر مار دیا جائے۔

معزز قارئین! مضمون نگار جس علم کو ظنی قرار دے رہے ہیں وہ علم ایمان لانے میں قرآن حکیم سے بھی مقدم ہے۔ قرآن حکیم کے اولین مخاطب صحابہؓ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی صحابی کی طرف وحی کر کے یہ نہیں کہا کہ قرآن میری کتاب ہے اسے تسلیم کرلو۔ بلکہ آپؐ نے نوع انسانی کو یہ پیغام دیا کہ مجھ پر اللہ کا کلام نازل ہوا ہے، لہٰذا جس کسی نے بھی قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب تسلیم کیا اس نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی شان کی وجہ سے تسلیم کیا۔ لہٰذا ثابت ہوا حدیث پر ایمان لانا قرآن حکیم پر ایمان لانے سے مقدم ہے۔

(۲) ہمیں یہ بات تسلیم کرنے میں ذرہ برابر تردد نہیں کہ احادیث کے تمام رواۃ اور مرتب کنندگان

انسان تھے، لیکن ہم یہ پوچھنا چاہیں گے کہ عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں قرآن حکیم کے نسخے کیا عرش معلیٰ کے پریس سے چھپ کر آئے تھے؟ کیا ان کے لکھنے والے انسان نہ تھے؟ کیا خطا اور نسیان ان سے ممکن نہ تھی؟ کیا ان کے تحریر کردہ قرآن حکیم سے عبداللہ بن مسعود نے اختلاف نہ کیا تھا؟

(۳) تیسرے مفروضے کا جواب یہ ہے کہ موصوف کو شیعہ فوبیا ہوا ہے۔ اس لئے انہیں ہر چیز ایک ہی رنگ میں دکھائی دیتی ہے۔

(۴) جہاں تک شرعی مسائل سے عقل کا تعلق ہے تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ جن حضرات نے سائنسی ایجادات کی ہیں، اہل دنیا انہیں بیوقوف اور احمق تصور نہیں کرتے، حالانکہ ان میں سے اکثر اپنے خالق کو پہچاننے سے قاصر رہے۔ کتنی عقلیں ایسی گزری ہیں جنہوں نے عبد کو رسول تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ تفصیل مطلوب ہو تو سورۃ یونس کی آیت نمبر ۲ کا مطالعہ کریں۔

موصوف نے دوسری قسط میں دلائل کا آغاز اس طرح کیا ہے۔ یہ روایت تجربہ، مشاہدہ اور فطرت انسانی کے خلاف ہے۔ اس دعوے پر دلیل یہ دی ہے کہ ''مخالفین اسلام کی طرف سے کوئی اعتراض ظہور میں نہیں آیا تو یہ ثابت ہوا ایسا کوئی فعل سرزد نہیں ہوا۔''

واہ! جھوٹ اور سچ کو جانچنے کا کتنا عمدہ اصول ہے؟ اگر ابوجہل اور ابولہب اس اصول سے مطلع ہوتے تو وہ آپ کی نبوت پر کبھی اعتراض نہ کرتے۔ قرآن حکیم کہتا ہے کہ ابراہیم نے اپنے نوخیز معصوم بیٹے کو ذبحہ کرنے کے لئے چھری کے نیچے لٹالیا مگر مخالفین اسلام نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کیا پدر و پسر کی اس عظیم قربانی کا فقط اس لئے انکار کر دیا جائے کہ مخالفین نے اس پر اعتراض نہیں کیا؟ عہد حاضر میں حقوق انسانی کی علمبردار تنظیمیں بچوں سے مشقت لینے کو معیوب جانتی ہیں۔ مگر ان میں سے کسی ایک نے جناب ابراہیم علیہ السلام کے فعل پر اعتراض نہیں کیا؟

دوسری دلیل میں موصوف رقم طراز ہیں: ''جو روایت عقل صریح کے خلاف ہو وہ باطل ہوتی ہے۔'' اس اصول کو موصوف نے ابن جوزی کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس بارے میں عرض یہ ہے کہ جو عقل اللہ اور اس کے رسول کے فرامین کو تسلیم نہیں کرتی وہ عقل ''عقل سلیم'' نہیں بلکہ ''عقل سقیم'' ہے اور عقل سقیم کو حق جانچنے کی کسوٹی ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ آپ اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ عقل ابلیس نے تکریم آدم سے متعلق اللہ تعالیٰ کے فرمان کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جبکہ

موصوف نے ایک جگہ از خود اعتراف کیا ہے کہ وہ بدعقل ہیں۔ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر بدعقل کو حق جانچنے کی کسوٹی کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ موصوف نے اسی دلیل کے آخر میں تحریر کیا ہے کہ: ''ہم نے آج تک تو جتنے عقلاء کو دیکھا وہ یا تو اس کا انکار کرتے نظر آئے یا شک وشبہ۔''

محترم قارئین! مؤلفین صحاح ستہ، دارمی، امام نووی، ابن حجر، ابن قیم اور قاضی شوکانی جیسے ذی علم حضرات اس روایت سے آگاہ تھے۔ مگر کسی نے اس روایت کو شک کی نظر سے نہیں دیکھا کیا یہ سب شخصیات عقل کی دولت سے محروم تھیں۔ ہشام بن عروہ کو گزرے ہوئے بارہ صدیوں سے بھی زیادہ عرصہ ہو چکا ہے، کیا یہ طویل عرصہ عقلاء کے وجود سے خالی رہا ہے؟ اگر ایسا ممکن نہیں تو پھر چاہئے تو یہ تھا کہ سلسلہ وار ہر صدی کے ان عقلاء کی فہرست جاری کی جاتی، جنہوں نے اس روایت سے انکار کیا ہے۔

موصوف نے تیسری دلیل کو خاصا طول دیا ہے، اس کا لب لباب یہ ہے: (۱) جزیرۃ العرب اور دیگر گرم ممالک میں آج تک اس کی کوئی دوسری مثال دستیاب نہیں۔ (۲) علماء کو چاہئے اس سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے اپنی نو سالہ لڑکی رخصت فرماتے اور احیائے سنت کا سہرہ اپنے سر باندھتے۔

محترم قارئین! سچ اور جھوٹ کی تشخیص کا اگر یہی طریقہ ہے تو میں نہایت معذرت کے ساتھ اس گروہ سے وابستہ افراد سے یہ پوچھنے کی جسارت کروں گا کہ قرآن حکیم میں یہ بات نہایت صراحت سے ہے کہ محترم مریم نے بغیر کسی مرد سے مباشرت کئے عیسیٰ علیہ السلام کو جنم دیا۔ اگر کوئی غیر مسلم یہ دعویٰ کرے کہ (نعوذ باللہ) قرآن حکیم کا یہ بیان غلط ہے کیونکہ اس کے بعد آج تک اس قسم کی کوئی دوسری مثال دستیاب نہیں ہے جو آپ جواب انہیں دیں گے وہی جواب ہمارا سمجھ لیجئے۔

(۲) اس گروہ سے وابستہ فرد یہ جرأت کرے گا کہ وہ یہ اعلان کرے کہ اس کی غیر منکوحہ پاکدامن دوشیزہ نے بچہ جنم دیا ہے۔

چوتھی دلیل میں موصوف نے یہ بات تسلیم کرنے کے باوجود کہ زیر بحث روایت بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی اور مسند حمیدی میں ہے۔ روایت پر درج ذیل اعتراض کئے ہیں:

(۱) یہ حدیث رسول نہیں ہے۔

(۲) یہ بھی واضح نہیں کہ قول عائشہ ہے یا قول عروۃ؟

(۳) موقوف اور متصل ہونے میں جب اختلاف ہو تو عام طور پر محدثین اسے موقوف قرار دیتے ہیں۔

(۴) عروۃ کے قول کو رد کرنا گناہ نہیں۔
(۵) ہمارے علماء اولاً اس کا متصل ہونا ثابت کریں۔

محترم قارئین!

(۱) اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حدیث رسول نہیں ہے۔
(۲) محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ قول عائشہ ہے۔
(۳) یہ جناب کا خود ساختہ اصول ہے۔ جبکہ حقیقت کچھ اور ہے۔
(۴) مخبر کے قول صادق کی تکذیب کرنا کیا اس پر الزام لگانے کے مترادف نہیں ہے؟ اگر ہے تو پھر بتائیں کسی پر الزام لگانا یا بلا دلیل طعن کرنا گناہ نہیں؟ تسلی کے لئے سورۃ الحجرات کی آیت ۶ (6) کا مطالعہ فرمائیں۔
(۵) اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ روایت مرسل بھی بیان ہوئی ہے، مگر اس کا متصل ہونا متعدد طریق سے ثابت ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) سفیان عن ہشام عن ابیہ عن عائشہ (بخاری)
(۲) علی بن مسہر عن ہشام عن ابیہ عن عائشہ (بخاری، ابن ماجہ)
(۳) وہیب عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشہ (بخاری)
(۴) ابو معاویہ قال حدثنا ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشہ (مسلم نسائی)
(۵) ابو اسحاق عن ابی عبیدۃ عن عائشہ (نسائی)
(۶) الاعمش عن ابراہیم عن الاسود عن عائشہ (نسائی)
(۷) عبدۃ عن ہشام عن ابیہ عن عائشہ (مسلم)
(۸) الزہری عن عروۃ عن عائشہ (مسلم)
(۹) ابو معاویہ عن الاعمش عن ابراہیم عن الاسود عن عائشہ (مسلم)
(۱۰) ابو اسامہ عن ہشام عن ابیہ عن عائشہ (مسلم)

اللہ تعالیٰ حافظ ابن حجر کو غریق رحمت کرے (کاندھلوی صاحب کے بھی یہی الفاظ ہیں) کہ انہوں نے اس کے متصل ہونے کو راجح کہا ہے۔

اگر آپ خود بھی مذکورہ بالا طریق پر غور کریں گے تو یہی فیصلہ دیں گے کہ قول عائشہؓ ہے اس

لئے کہ عائشہؓ سے یہ روایت صرف عروہ ہی بیان نہیں کرتے بلکہ ابو عبیدہ اور اسود بھی بیان کرتے ہیں۔

دلیل نمبر 5 : پانچویں دلیل میں موصوف تحریر فرماتے ہیں ''عروۃ سے روایت نقل کرنے والا ان کا بیٹا ہشام ہے۔ ہمارے نزدیک اس روایت میں گڑبڑ اسی ہشام کے باعث ہوئی ہے۔''

محترم قارئین پہلی بات تو یہ ہے کہ اس روایت کا راوی فقط عروۃ نہیں بلکہ ابو عبیدہ اور اسود بھی ہیں۔ ابو عبیدہ کی سند میں ہشام کی جگہ ابو اسحاق اور اسود کی سند میں ہشام کی جگہ، ابراہیم ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ عروۃ سے یہ روایت فقط ان کا بیٹا ہشام ہی بیان نہیں کرتا بلکہ امام زہری بھی کرتے ہیں۔ گویا اس روایت کے طریق میں تین طرق ایسے ہیں جن میں ہشام نہیں ہے تو پھر کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ یہ گڑبڑ ہشام سے ہوئی ہے؟

پانچویں دلیل پر مزید بحث کی ضرورت تو نہ تھی کیونکہ اس میں موصوف نے فقط ہشام کے خلاف طبع آزمائی کی ہے جبکہ ہم نے یہ ثابت کردیا ہے کہ یہ روایت ہشام کے علاوہ دوسرے طریق سے بھی ہے۔ تاہم پھر بھی موصوف کے بے بنیاد دعووں کا رد کریں گے۔ (انشاء اللہ)

جہاں تک اس اعتراض کا تعلق ہے کہ امام مالک نے ہشام بن عروہ کے شاگرد ہونے کے باوجود ہشام سے یہ روایت موطا میں کیوں نقل نہیں کی تو جناب یہ کوئی ضروری نہیں کہ شاگرد اپنے شیوخ کی تمام روایات نقل کرے۔ کیا امام ابو حنیفہ کے تمام شاگردوں نے امام ابو حنیفہ کی تمام روایات اور ان کے تمام اقوال نقل کیے ہیں؟

موصوف نے ہشام بن عروہ کے مقروض ہونے کا جو واقعہ تحریر کیا ہے یہ بلا حوالہ ہے ظاہر ہے ایسے واقعہ کی کوئی حیثیت نہیں۔

یعقوبؒ بن شیبہ کی ہشامؒ بن عروہ کے بارے میں جرح

موصوف نے ناقد کا نام یعقوب بن ابی شیبہ تحریر کیا ہے۔ حالانکہ ان کا نام یعقوب بن شیبہ ہے موصوف نے یہ غلطی دلیل نمبر ۵ میں تین بار کی ہے۔ کیا ہی اچھا تھا کہ موصوف دوسروں پر تکیہ کرنے کی بجائے اصل کتب کی طرف مراجعت فرمالیتے۔ موصوف نے دوسری غلطی یہ کی ہے کہ ہشام کی تاریخ وفات ۱۴۲ھ تحریر کی جبکہ ان کی وفات کے بارے میں دو روایتیں ہیں یعنی ۱۴۶ھ اور ۱۴۵ھ علامہ ذہبی اور امام بخاری نے ۱۴۶ھ والی روایت کو درست قرار دیا ہے۔ (مزید تسلی کے لئے

پانچویں ایڈیشن، مئی ۱۹۹۷ میں ۱۴۶ھ ہی درج ہے۔

رجال کی کتب دیکھی جاسکتی ہیں)

ایسی فاش غلطیوں کے باوجود معترض کا یہ دعویٰ کہ میں نے متعدد سال رجال کی چھان بین میں صرف کئے ہیں۔ کیا حیثیت رکھتا ہے؟

حافظ ابن حجر اور علامہ ذہبی نے یعقوب بن شیبہ کی ہشام بن عروہ پر جو جرح نقل کی ہے اس کا آغاز "قال یعقوب بن شیبہ" سے کیا ہے جبکہ یعقوب بن شیبہ ہشام کی وفات کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے یعقوب بن شیبہ نے یہ بات کسی سے سنی ہوگی اور وہ مجہول ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ حدیث نے یعقوب بن شیبہ کے بیان پر کان نہ دھرتے ہوئے ہشام بن عروہ کے عراقی شاگردوں سے ہشام بن عروہ کی روایات کو قبول کیا ہے۔

ہشام بن عروہ کے ایک نامور شاگرد کا نام ابو اسامہ حماد بن اسامہ کوفی ہے انہیں علامہ ذہبی نے الحافظ الامام الحجۃ جیسے بہترین القاب سے یاد کیا ہے۔ زیر بحث روایت کے یہ بھی راوی ہیں۔ ان کے بارے میں ان کے ہم عصر امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔

ہشام بن عروہ کی روایات کو ان سے زیادہ کوئی نہیں جانتا تھا اور انہوں نے روایت بیان کرنے میں کبھی غلطی بھی نہیں کی۔ (تذکرہ الحفاظ) ابن الفرات کہتے ہیں ان کے پاس ہشام بن عروہ کی چھ سو روایات تھیں۔ (تذکرۃ الحفاظ)

مذکورہ بالا بیان سے یہ معلوم ہوا کہ ہشام بن عروۃ کی جس روایت کو ابو اسامہ نے بیان کیا ہے وہ غلط نہیں ہوسکتی۔ اگر مزید تسلی چاہتے ہو تو علامہ ذہبی کا فیصلہ سنئے۔

قلت تلقت الامة حديث ابی اسامه بالقبول لحفظه و دينه (تذکرہ) ابو اسامہ کی قوت یادداشت اور ان کی دین داری کی وجہ سے تمام امت نے ان کی روایات کو قبول کیا ہے۔

وہ امت جس میں احمد بن حنبل، بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، حمیدی، ابن الفرات اور محمد بن عبداللہ بن عمار جیسے ائمہ فن ہوں اس امت نے ابو اسامہ کی زیر بحث روایت کو قبول کیا ہے۔

کیا یہ سب حضرات عقل کی نعمت سے محروم تھے؟ (حاشا وکلا)

کاندھلوی صاحب نے اس حقیقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہ کوئی بھی انسان خطا و نسیان سے پاک نہیں علم حدیث کو مسمار کرنے کی نہایت مذموم کوشش کی ہے۔ جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے احادیث کی جمع و تدوین کا کام جن پاکباز انسانوں سے لیا، انہیں اللہ تعالیٰ نے جو قوت

یادداشت عطا فرمائی تھی وہ بھی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک عظیم الشان اعجاز ہے۔

مروان بن حکم رضی اللہ عنہ کے کاتب کا بیان ہے کہ ایک دن مروانؓ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی قوت یادداشت کا امتحان لینا چاہا، اس نے مجھ سے کہا کہ جب میں ابو ہریرہؓ کو دعوت دوں تو تم چھپ کر ان کی باتیں تحریر کرتے رہنا۔ چنانچہ میں چارپائی کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ مروان ان سے سوال کرتے جاتے تھے اور وہ جواب دیتے جاتے تھے اور میں ان کی گفتگو تحریر کرتا جاتا تھا۔ ایک سال بعد مروان بن حکم نے ابو ہریرہؓ کو دوبارہ دعوت دی اور میں پھر چھپ کر بیٹھ گیا۔ مروانؓ نے ابو ہریرہؓ سے پھر وہی سال کئے اور ابو ہریرہ نے جواب اسی طرح دیئے کہ نہ اس میں سے کچھ کم کیا اور نہ اضافہ کیا اور نہ الفاظ کو آگے پیچھے کیا۔ (سیر الاعلام النبلاء وصحہ حاکم)

موصوف نے اپنے مضمون میں جگہ جگہ سیر الاعلام والنبلاء کا حوالہ دیا ہے کاش کہ موصوف نے آنکھیں کھول کر اس کا مطالعہ کیا ہوتا!

کاندھلوی صاحب علامہ ذہبی کے بھی بڑے مداح ہیں! آیئے امام ذہبی سے بھی کچھ سنئے۔

امام ذہبی امام زہری کے حافظہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ زہری نے صرف اسی راتوں میں پورا قرآن حفظ کرلیا تھا۔

کاندھلوی صاحب اسی دلیل میں فرماتے ہیں:

''امام ابو حنیفہ بھی اسی دور کے شاگرد تھے، لیکن امام ابو حنیفہ نے بھی اس روایت کو کہیں بیان نہیں کیا۔''

اگر اسی دور سے مراد مدنی دور ہے تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ کیونکہ امام ابو حنیفہ کا علم حدیث حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا ثابت نہیں۔ امام صاحب نے عہد شباب میں پہنچ کر علم حاصل کرنا شروع کیا تھا۔ آپ نے تحصیل علم کا آغاز عراقی فقہ سے کیا آپ کوفہ کے معروف فقیہ حماد بن ابی سلیمان کے جو حدیث میں ضعیف تھے، کئی سال تک شاگرد رہے اور کوفہ میں محدثین کے حلقہ میں درس میں بھی بیٹھتے رہے، اگر یہ ہشام کے شاگرد ہیں تو عراقی دور کے ہیں مدنی کے نہیں۔

کیا اس دور کی امام ابو حنیفہ نے ہشام سے کوئی دوسری روایت نقل کی ہے۔ اگر کوئی ہے تو میں اس گروہ سے یہ پوچھنے کی جسارت کروں گا کہ کاندھلوی صاحب کے نزدیک تو ہشام بن عروہ کا پورا عراقی دور ناقابل اعتماد ہے پھر اسی دور کی دوسری روایات امام ابو حنیفہؒ نے کیوں بیان کیں؟ اگر امام

ابو حنیفہ نے ہشام سے کوئی روایت بیان نہیں کی تو امام ابو حنیفہ جیسے فقیہہ نے ایک ایسے آدمی کی شاگردی کیوں قبول کی جو آپ کے بقول دماغی توازن کھو چکا ہے؟ کیا ہشام کو دیوانہ دیکھ کر پورا عراق پاگل ہو گیا تھا؟

امام ذہبی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ان کا بڑھاپے میں حافظہ جوانی جیسا عمدہ نہ تھا۔ یعقوب بن شیبہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہشام سے جو روایات اہل عراق بیان کریں وہ روایات قابل اعتبار نہیں۔ ابوالحسن قطان کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہشام آخری عمر میں احادیث اور ان کی اسناد میں گڑبڑ کرنے لگے تھے۔ کاندھلوی صاحب کی درج بالا تحریر سے یہ معلوم ہوا کہ ہشام پر جن ناقدین نے جرح کی ہے ان کے بیان تین طرح کے ہیں:

(۱) ہشام بن عروہ کا بڑھاپے کا دور قابل اعتماد نہیں۔

(۲) ان کا عراقی دور قابل اعتبار نہیں۔

(۳) ان کی عمر کا فقط آخری حصہ قابل بھروسہ نہیں۔

علامہ ذہبی کے بیان سے تو کاندھلوی صاحب بھی متفق نہیں، کیونکہ وہ اسی دلیل میں یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا پورا مدنی دور قابل اعتماد ہے اور جب وہ مدینہ سے عراق گئے تھے اس وقت ان کی عمر اکہتر برس تھی، ظاہر ہے کہ اکہتر برس کا آدمی جوان نہیں ہوتا۔

ہشام بن عروہ کے عراقی شاگرد وہیب بن خالد کے بیان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

قال وهيب قدم علينا هشام فكان مثل الحسن و ابن سيرين (تذکرة ۱/۱۴۴)

جب ہشام ہمارے پاس (عراق) آئے تو وہ اس وقت امام حسن بصری اور امام ابن سیرین کی طرح تھے۔

تمام ناقدین کے مقابلے میں وہیب کا قول زیادہ حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ یہ ان کے شاگرد ہیں، شاگرد اپنے استاد کے احوال سے دوسروں سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔ جیسا کہ تدریب الراوی میں علامہ جلال الدین سیوطی رقم طراز ہیں:

''ولا شک ان المحدث اعرف بحديث شيوخه'' (تدريب الراوی ۲۶)

ابوالحسن قطان کے بیان سے اتفاق ہو سکتا ہے اس صورت میں ہشام کے عراقی دور کو دو حصوں میں تقسیم کریں گے:

پہلا عراقی دور: جس میں ہشام کا حافظہ بالکل درست تھا، اسی دور میں امام ابوحنیفہ اور دوسرے فاضل عراقی ان کے شاگرد تھے۔

دوسرا عراقی دور: اس دور میں وہ احادیث کی سندات میں گڑبڑ کرنے لگے ہوں گے یہی وجہ ہے کہ محدثین نے ہشام کے بعض عراقی شاگردوں کی روایات کو قبول کیا ہے اور بعض کو مسترد کیا۔

اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ ہشام کا پورا عراقی دور دماغی عدم توازن میں گزرا تو بھی اس روایت پر کوئی حرف نہیں آسکتا، کیونکہ اس روایت کی کم از کم دو سندیں ایسی ہیں جن میں ہشام نہیں ہے اور نہ اس سے ہشام کے بعض عراقی شاگردوں پر حرف آسکتا ہے، کیونکہ عراق میں ہشام کی آمد سے قبل ہشام کے بعض شاگردوں کا مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں جاکر تعلیم حاصل کرنا ثابت ہے۔ مثلاً سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، حماد بن زید اور حماد بن سلمہ نے بہت سے مکی و مدنی محدثین سے حجاز میں جاکر احادیث سنی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ہشام سے زیر بحث روایت بھی اسی دور میں سنی ہو، کیونکہ روایت میں یہ تو درج نہیں کہ زیر بحث روایت انہوں نے عراق میں سنی یا حجاز میں سنی۔ اگر ہشام کا پورا عراقی دور ناقابل اعتبار قرار دیدیا جائے تو اس کا سب سے زیادہ نقصان امام ابوحنیفہ کی فقاہت کو پہنچے گا۔ کیونکہ انہوں نے ان کی شاگردی فقط عراقی دور میں کی ہے۔ موصوف رقم طراز ہیں:

> ''حتیٰ کہ عبدالرحمٰن بن خراش کا بیان ہے کہ امام مالک اسے پسند نہ کرتے تھے، انہوں نے ان پر اہل عراق کی احادیث کے باعث اعتراض کئے ہیں۔''

ابن خراش کے بیان پر تبصرہ کرنے سے بہتر ہے کہ آپ کا ابن خراش سے تعارف کرادوں۔ جناب اس کا پورا نام ابومحمد عبدالرحمٰن بن یوسف بن سعید بن خراش تھا۔ یہ اہل تشیع کا بہت بڑا عالم تھا، اس کے ایک شاگرد بکر بن محمد صیرفی کا کہنا ہے کہ میں نے ابن خراش کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنا پیشاب پانچ مرتبہ پیا ہے۔ عبدان کہتے ہیں کہ اس نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کی توہین میں دو جلدیں لکھ کر دو ہزار میں فروخت کیں اور اس رقم سے اپنا محل بنوانا شروع کیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث ماترکنا فھو صدقة کو یہ باطل کہتا تھا۔ امام ذہبی کہتے ہیں کہ یہ شخص اس حال میں فوت ہوا کہ یہ اللہ کی رحمت سے دور تھا۔

موصوف فرماتے ہیں:

> ''ہم کیا کہہ سکتے ہیں آخر یہ بخاری اور مسلم کے راوی ہیں۔''

حقیقت یہ ہے کہ کاندھلوی صاحب کو نہ ہشام سے کوئی تکلیف ہے اور نہ ان کے عراقی شاگردوں سے کوئی واسطہ ہے انہیں تو صرف بخاری اور مسلم سے رقابت ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بخاری اور مسلم کے صحیح ہونے پر اہل سنت کے تمام مذاہب متفق ہیں، جبکہ بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں کاندھلوی صاحب کے تقلیدی مذہب کی تائید نہیں کی، بلکہ انہوں نے بہت سی ایسی احادیث جمع کر دیں، جنہوں نے ان کے تقلیدی مذہب کے جوڑ ہلا دیئے۔

موصوف فرماتے ہیں:

''ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ عراق کی آب و ہوا نے اچھوں اچھوں کا دماغ خراب کردیا۔''

ہاں جناب کے بزرگوں کا بھی یہی شیوہ رہا ہے۔ آپ حضرات جانتے ضرور ہیں مگر مانتے نہیں۔ اگر شک ہو تو تقریر ترمذی پڑھ کر دیکھ لیں۔ اگر کاندھلوی صاحب مانتے ہوتے تو پہلے عراقی امام کی تقلید سے برأت کا اظہار کرتے پھر یہ کتاب لکھتے۔

لم تقولون مالا تفعلون وہ کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں۔

چھٹی دلیل میں موصوف نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس روایت کو ہشام بن عروہ سے ان کے عراقی شاگردوں کے علاوہ اور کوئی نہیں بیان کرتا۔ ہم ان کے اس دعوے کا رد تو ان کی سترھویں دلیل کے جواب میں کریں گے یہاں تو ہم یہ ثابت کریں گے کہ اس روایت کا راوی فقط ہشام نہیں اور نہ فقط ہشام کے والد عروہ ہیں، بلکہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت عروہ کے علاوہ اسود بھی بیان کرتے ہیں اور اسود سے عراقی فقہ کے بانی ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں۔ عراقی فقہ کے ترجمان امام طحاوی ابراہیم نخعی کے قول کو اہلحدیث کے رد میں قول فیصل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ تفصیل درکار ہو تو شرح معانی الآثار کی پہلی جلد میں رفع الیدین کی بحث کا مطالعہ فرمالیں۔

ہشام بن عروہ بھی اپنے والد سے یہ روایت تنہا بیان نہیں کرتے، بلکہ ان کے ساتھ امام زہری بھی یہ روایت بیان کرتے ہیں، کاندھلوی صاحب نے امام زہری کو آٹھویں دلیل میں قابل اعتبار تسلیم کیا ہے۔ کاندھلوی صاحب بھی امام زہری اور اسود کی روایت سے آگاہ تھے، کیونکہ یہ دونوں سندیں مسلم کی ہیں، مگر انہوں نے تعصب، ہٹ دھرمی اور علمی بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کا اظہار نہیں کیا، کیونکہ ان اسناد میں عروہ اور زہری مدنی ہیں معمر یمنی ہیں اور عبدالرزاق صنعانی ہیں جبکہ یحییٰ بن یحییٰ خراسانی ہیں۔

کاندھلوی نے بڑے فخر سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے متعدد سال رجال و علل کی چھان بین میں صرف کیے، مگر انہوں نے ہشام کے عراقی شاگردوں کی فہرست جاری کرتے وقت ایسی فاش غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے کہ انہیں دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ موصوف نے ساری عمر کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بجائے فقط کتابوں کے ورق گننے میں ضائع کر دی۔

آیئے ان کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ سفیان کے والد کا نام اور ابو معاویہ کے قبیلے کا نام غلط لکھا ہے۔ نمبر ۷ پر ابو سلمہ کوفی لکھا ہے جبکہ ہشام بن عروہ کا کوئی ایسا شاگرد نہیں جو ابو سلمہ کی کنیت سے معروف ہو، البتہ ان کے ایک شاگرد حماد بن سلمہ کی کنیت ابو سلمہ ہے مگر وہ اس کنیت سے معروف نہیں اور نہ وہ کوفی ہیں وہ تو بصری ہیں۔ نیز ان کا نام کاندھلوی صاحب نے بصریوں کی فہرست میں الگ لکھا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ نام ابو سلمہ نہیں تو پھر کیا ہونا چاہیے۔ اصل حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے جہاں تک میں نے مطالعہ کیا ہے مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ نام ابو اسامہ حماد بن اسامہ کوفی ہے، کیونکہ یہ ہشام بن عروہ کے شاگرد بھی ہیں اور بخاری و مسلم کی اس روایت کے راوی بھی ہیں۔ نمبر ۸ پر لکھتے ہیں حماد بن زید الکوفی جبکہ یہ بصری ہیں۔ بصریوں کی فہرست میں نمبر ۴ پر وہب بن خالد لکھا ہے، جبکہ اس نام کا آج تک عراق میں کوئی محدث پیدا نہیں ہوا، البتہ بصرہ میں وہب بن جریر نامی محدث اسی دور میں گذرا ہے، مگر وہ ہشام بن عروہ کے شاگرد نہیں بلکہ ہشام بن حسان کے شاگرد تھے، ہشام بن عروہ کے شاگرد کا نام وہیب بن خالد ہے۔

ایک ہی نقطہ نے محرم کو مجرم کر دیا۔

محرم تو ایک نقطہ سے مجرم بن جاتا ہے یہاں تو دو نقطوں کی بات ہے۔

نہ تم توہین یوں کرتے نہ ہم تردید یوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

موصوف نے ہشام بن عروہ کے جن شاگردوں کی فہرست جاری کی ہے، ان میں سے بعض سے امام بخاری اور مسلم نے روایات بطور حجت کے لی ہیں اور بعض سے استشہاد یا متابعت کے طور پر لی ہیں اور بعض سے نہ صرف یہ روایت بلکہ ان سے کوئی بھی روایت نہیں لی۔ جن سے امام بخاری اور مسلم نے بطور حجت کے روایات لی ہیں ان کا عراق میں ہشام کی آمد سے قبل مدینہ اور مکہ کے شیوخ سے علم

حدیث حاصل کرنا ثابت ہے اور ابو معاویہ ایسے ہیں جو ہشام کی سند میں بھی ہیں اور ابراہیم نخعی کی سند میں بھی ہیں۔ جعفر بن سلیمان اور حماد بن سعید سے امام بخاری نے کوئی روایت نہیں لی۔

موصوف نے اپنی تائید میں ہشام کا اپنا ایک قول بھی پیش کیا ہے۔ محترم قارئین! یہ وہ زمانہ تھا جب کوفہ اہل الرائے اور اہل تشیع کا مرکز تھا، جبکہ مدینہ اہل الحدیث کا علمی و دینی مرکز تھا، ایک گروہ دوسروں پر برتری حاصل کرنے کے لئے جھوٹی احادیث بنایا کرتا تھا، اسی لئے اہل مدینہ ان سے خفا تھے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کوفہ میں صحیح احادیث کی ترویج کے لئے کوئی کام نہیں ہو رہا تھا، کوفہ میں ایسے محدثین بھی تھے جن کی سوانح حیات آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ صراط مستقیم کے اوراق اجازت نہیں دیتے ورنہ ان عراقی محدثین کے بارے میں نامور ناقدین کے توصیفی کلمات تحریر کرتا اور وہ عراقی جو احادیث میں گڑبڑ کرتے تھے ناقدین نے ان پردہ نشینوں کو بے نقاب بھی کیا ہے۔ ناقدین نے ان پر جو جرح کی ہے اگر اس میں سے ایک چنگاری علم و فضل اور زہد و ورع کے مصنوعی خرمن میں پھینک دوں تو وہ جل کر راکھ ہو جائے مگر میں ایسا کر کے ایک نئی بحث چھیڑنا نہیں چاہتا۔

موصوف نے اپنی تائید میں ایک قول ابن مہدی کا بھی نقل کیا ہے۔ اس قول سے محدثین کہاں تک متفق ہیں؟ یہ ایک طویل بحث ہے اس پر بحث کرنے کی اس لئے بھی ضرورت نہیں کہ زیر بحث روایت بخاری اور مسلم کی ہے۔ شیخین نے صحیحین میں جو روایت بھی بطور حجت کے پیش کی ہے اس میں اپنے اصولوں کو کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا۔ زیر بحث روایت کو امام بخاری نے صحیح بخاری میں سات مرتبہ نقل کیا ہے اور اس سے پانچ مسائل ثابت کئے ہیں۔ اس روایت کو امام بخاری اور مسلم کے علاوہ دوسرے محدثین اور فقہا نے بھی صحیح تسلیم کرتے ہوئے کہا ہے کہ باپ اپنی نابالغ بیٹی کا نکاح کر سکتا ہے، قدوری اور صاحبِ ہدایہ بھی یہی آواز بلند کر رہے ہیں۔ نیز اس روایت پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے ہر وہ روایت جس پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہو وہ روایت اعلیٰ درجہ کی صحیح ہوتی ہے۔ جیسا کہ امام نووی فرماتے ہیں:

"الصحیح اقسام واعلاھا ماتفق علیہ البخاری و مسلم"

صحیح بخاری کی مختلف اقسام ہیں ان میں سب سے اعلیٰ درجہ کی صحیح روایت وہ ہے جس پر بخاری و مسلم متفق ہوں۔

واقعہ انشقاق قمر

کاندھلوی صاحب نے ساتویں دلیل میں بخاری کی جو روایت پیش کی ہے وہ بخاری میں دو مقام پر ہے کتاب التفسیر میں مختصر ہے اور کتاب فضائل قرآن میں مفصل ہے۔ دونوں مقام پر اس روایت کے تمام بیان کنندگان ایک ہی ہیں اس صورت میں دیانت داری کا تقاضا تو یہ تھا کہ کاندھلوی صاحب مفصل روایت نقل کرتے، مگر انہوں نے عوام کو فریب دینے کے لئے مختصر روایت نقل کی اور خودساختہ تشریح کردی جو کہ درج ذیل ہے:

''یہ سورۃ القمر کی آیت ہے اور یہ سورۃ شق القمر کے سلسلہ میں نازل ہوئی، شق القمر کا واقعہ ہجرت سے پانچ سال قبل کا ہے مفسرین کا بیان ہے کہ یہ سورۃ سن ۴ نبوی میں نازل ہوئی۔''

اگر موصوف کا درج بالا بیان درست تسلیم کرلیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نبوت کے بعد نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف نو سال مکہ میں رہے حالانکہ کسی بھی مورخ نے یہ نہیں لکھا کہ آپؐ نبوت کے بعد نو سال مکہ میں رہے۔ ہاں البتہ اس پر جمہور اہل علم کا اتفاق ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بعد تیرہ سال تک مکہ معظمہ میں رہے اور یہی صحیح بخاری سے بھی ثابت ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو اس وقت آپؐ چالیس سال کے تھے اس کے بعد آپ مکہ میں تیرہ سال رہے پھر آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم دیا گیا اور آپؐ مدینہ ہجرت کر گئے وہاں دس سال تک رہے پھر وفات پاگئے۔ (بخاری باب مبعث النبیؐ)

موصوف نے بخاری کی جو روایت پیش کی ہے اس میں صرف یہ ہے کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی سن نزول کا اس میں کوئی ذکر نہیں یہ کاندھلوی صاحب کی اپنی دماغی اختراع ہے لیکن اس کے باوجود وہ یہ دعویٰ کر رہے ہیں:

''ہم ہرگز بخاری سے باہر نہیں گئے۔''

جھوٹ کی ایسی مثال تو شاید ان کے ہاں بھی نہ ملے جن کے ہاں جھوٹ بھی واجبات دین میں شامل ہے۔

آگے لکھتے ہیں یہ روایت ثابت کر رہی ہے کہ ام المؤمنین سن ۴ نبوی میں اتنی عمر کی ضرور تھیں کہ

لڑکیوں کے ساتھ کھیلتی تھیں۔ میں یہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اس روایت میں نہ سن ۴ نبوی کا ذکر ہے اور نہ لڑکیوں کا ذکر ہے بلکہ یہ سب کچھ انہوں نے اپنی طرف سے اس لئے فرض کرلیا ہے کہ یہ آیت سورۃ القمر کی ہے اور اس سورۃ میں انشقاق قمر کا ذکر ہے۔ بخاری میں انشقاق قمر کے بارے میں تین صحابہ سے بارہ روایات ہیں، مگر کسی روایت میں بھی یہ تذکرہ نہیں کہ یہ واقعہ کس سن میں پیش آیا۔ فقط اتنی صراحت ہے کہ مکہ معظمہ میں پیش آیا تھا۔ مگران روایات میں یہ بھی صراحت نہیں کہ سورۃ القمر انشقاق قمر کے کتنے عرصہ بعد نازل ہوئی اور پہلی مرتبہ اس کی کتنی آیات نازل ہوئیں۔ ہاں البتہ اگر بخاری و مسلم سے باہر آجائیں تو تھوڑی مزید وضاحت ملتی ہے کہ پہلی مرتبہ سورۃ 'مستمر' تک نازل ہوئی۔

زیر بحث آیت سورۃ قمر کی ہے اس لئے کاندھلوی صاحب نے انشقاق قمر کی بحث چھیڑ دی۔ بات چونکہ شروع ہوچکی ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس پر قدرے تفصیل سے بحث ہو جائے۔ تاکہ قارئین کو اس گروہ کے ذہنی انحطاط کا اندازہ ہوسکے۔

(۱) پہلا سوال تو یہ ہے کہ انشقاق قمر ہوا یا کہ نہیں؟

(۲) اگر ہوا ہے تو کب ہوا؟

(۳) یہ سورۃ انشقاق قمر کے کتنے عرصہ بعد نازل ہوئی؟

(۴) اگر ہم کاندھلوی صاحب کی طرح عقلاء اور ادباء کے مشوروں پر عمل کریں تو پھر انشقاق قمر تاحال نہیں ہوا آیئے ہم آپ کو پہلے عقلاء سے ملاتے ہیں:

(۱) عقلاء کہتے ہیں یہ واقعہ نہیں ہوا، کیونکہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو اس زمانہ کے بہت سے لوگ اس کے گواہ ہوتے۔

(۲) اس واقعہ کا ذکر علم نجوم کی کتابوں اور جنتریوں میں ضرور ہوتا۔

(۳) اگر یہ ایک بار ہوا تھا تو اسے بار بار ہونا چاہئے تھا۔ اگر مزید تفصیل درکار ہو تو ابواسحاق الزجاج کی تفسیر معانی القرآن کا مطالعہ کریں۔

معزز قارئین! جو اعتراض کاندھلوی صاحب نے روایت عائشہ پر کئے وہی اعتراض قدیم عقلاء نے انشقاق قمر پر کئے ہیں۔

جن پر تھا تکیہ وہی پتے ہوا دینے لگے

آیئے! تھوڑی دیر کے لئے ادباء سے بھی ملتے چلیں۔ جناب ان کا کہنا یہ ہے کہ جس واقعہ کا

ہونا یقینی ہوتا ہے اس کا ذکر قرآن حکیم میں فعل ماضی سے کر دیا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ النحل کی پہلی آیت میں قیامت کی آمد کا ذکر فعل ماضی سے کیا گیا ہے۔ حالانکہ قیامت ابھی تک آئی نہیں تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ اتی امر اللہ بمعنی سیاتی امر اللہ ہے (یعنی قیامت عنقریب آجائے گی) اس طرح انشق القمر دراصل سینشق القمر ہے (یعنی چاند عنقریب پھٹ جائے گا) تفصیل درکار ہو تو فتح الباری کا مطالعہ فرمائیں۔

عقلاء اور ادباء سے کاندھلوی صاحب کا گروہ اس مسئلہ میں جہاں تک متفق ہے ہم بھی روایت عائشہ میں عقلاء اور ادباء سے اسی حد تک متفق ہیں۔

وہ لوگ جن کا کہنا ہے کہ انشقاق قمر ہو چکا ہے ان کے بھی دو گروہ ہیں ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ واقعہ صرف ایک بار پیش آیا، دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ عہد نبوی میں دو بار پیش آیا۔ یہ بحث ترمذی اور تفہیم القرآن میں دیکھی جا سکتی ہے۔

دوسرے سوال کے بارے میں عرض یہ ہے کہ کسی بھی مستند روایت میں اس واقعہ کے ظہور کا سن درج نہیں، البتہ مفسرین نے متعدد روایات اور واقعات کو سامنے رکھ کر یہ اندازہ لگایا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت نبوی سے پانچ سال قبل کا ہو سکتا ہے

تیسرے سوال کے بارے میں عرض یہ ہے کہ اس سورۃ کے شان نزول کے بارے میں صحابہ کی ایک رائے نہیں ابن عباسؓ کا خیال ہے کہ عہد نبوی میں چاند گرہن ہوا تھا اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (ابن کثیر) انس رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ یہ آیات انشقاق قمر پر نازل ہوئیں۔ (ترمذی)

چوتھے سوال کے جواب میں یہ دونوں صحابی متفق ہیں کہ یہ ساری سورت ایک ساتھ نازل نہیں ہوئی، پہلی بار آغاز سے مستمر تک آیات نازل ہوئیں۔

اس بحث سے یہ واضح ہوا کہ کاندھلوی صاحب نے جو حدیث پیش کی ہے اس کا انشقاق قمر سے کوئی تعلق نہیں۔ انشقاق قمر کس سن میں ہوا یہ کسی صحیح روایت میں محفوظ نہیں۔ یہ سورۃ کتنے عرصہ میں مکمل نازل ہوئی کچھ معلوم نہیں، عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو آیت پڑھی تھی وہ انشقاق قمر کے کتنا عرصہ بعد نازل ہوئی کسی کو کچھ معلوم نہیں خود ام المؤمنین کا بیان ہے کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی، جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس آیت سے پہلے والی آیت یعنی آیت نمبر ۴۵ مدینہ میں جا کر نازل ہوئی۔

محترم قارئین جب حقیقت یہ ہے تو پھر یہ کیسے فرض کر لیا جائے کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سن

چار نبوی میں لڑکیوں کے ساتھ کھیلتی تھیں۔

آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

کاندھلوی نے روایت عائشہؓ دلیل نمبر ۸ کا رد کرتے ہوئے عائشہ ہی کی ایک دوسری روایت کو آٹھویں دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ دیانت داری کا تو تقاضا تھا کہ پوری روایت پیش کی جاتی، مگر موصوف نے رائے عامہ کو گمراہ کرنے اور اس سے من پسند نتیجہ اخذ کرنے کی غرض سے اس کا صرف ایک حصہ پیش کیا ہے۔ روایت عائشہؓ کو کاندھلوی صاحب نے جس بددیانتی سے اپنی خواہش کی بھینٹ چڑھایا ہے اس پر میں صرف یہی تعزیتی الفاظ کہہ سکتا ہوں کہ روایت عائشہؓ ایک عجمی مولوی کی جہالت اور بددیانتی کا شکار ہوئی ہے۔

بخاری کی جس روایت سے موصوف روایت عمر عائشہؓ کا رد چاہتے ہیں وہ روایت زہری عن عروہ عن عائشہ ہے اتفاق کی بات ہے کہ جس روایت کو موصوف رد کر رہے ہیں اس روایت کی ایک سند میں بھی زہری عن عروۃ عن عائشہ ہے اگر یہ سند یہاں قابل بھروسہ ہے تو پھر روایت عمر عائشہ میں قابل اعتبار کیوں نہیں۔ یہ کوئی بازار حسن نہیں جہاں عشاق کی پسند کا خیال رکھا جاتا ہے یہ تو بازار اصول علم حدیث ہے، یہاں من پسند فیصلے نہیں ہوتے یہاں تو اپنے اور بیگانے کا خیال کئے بغیر سب کو ایک کسوٹی پر جانچا جاتا ہے۔

موصوف نے ہجرت صدیق کے واقعہ سے عوام الناس کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں تو انہوں نے اس واقعہ کا سن ظہور نہیں لکھا، لیکن پندرہویں دلیل میں باقاعدہ لکھا ہے کہ یہ واقعہ نبوت کے پانچویں سال کا ہے۔

معزز قارئین! ہجرت حبشہ کا آغاز تقریباً نبوت کے پانچویں سال ہوا تھا اس سال بارہ نفوس پر مشتمل ایک قافلے نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اس پر تمام مورخین اور محدثین کا اتفاق ہے کہ اس قافلے میں ابوبکر شامل نہیں تھے۔ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا یہ سلسلہ اس وقت منقطع ہوا جب نبوت کے تیرہویں سال مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا۔ کاندھلوی نے جو روایت اپنی تائید میں پیش کی ہے اس میں یہ صراحت ہے:

قالت عائشه فاتى ابن الدغنه الى ابى بكر فقال قد علمت الذى عاقدت لک

علیہ فاما ان تقتصر علی ذالک واما ان ترجع الی ذمتی فانی لا احب ان تسمع العرب انی اخفرت فی رجل عقدت لہ فقال ابوبکر فانی ارد الیک جوارک وارضی بجوار اللہ عزوجل والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یومئذ بمکتہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم للمسلمین انی اریت دار ھجر تکم ذات نخل بین لابتین وھما الحرتان فھاجر من ھاجر قبل المدینہ ورجع عامتہ من کان ھاجر بارض الحبشہ الی المدینہ وتجھز ابوبکر قبل المدینہ فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی رسلک فانی ارجوان یوذن لی فقال ابوبکر وھل ترجو ذالک بابی انت قال نعم فجس ابوبکر نفسہ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیصحبہ وعلف راحلتین کانتا عندہ ورق السمر اربعہ اشعر (سنن عبدالرزاق ۵/۳۸۷)

ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ ابن دغنہ ابوبکر کے پاس آیا اور کہنے لگا آپ یقیناً اس معاہدہ سے آگاہ ہیں جو ہمارے درمیان طے پایا تھا، آپ یا تو اس پر قائم رہیں یا میری امان واپس کردیں، کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ عرب یہ خبر سنیں کہ ابن دغنہ کی امان کا خیال نہیں رکھا گیا، ابوبکر نے فرمایا میں آپ کی امان واپس کرتا ہوں اور اللہ کی امان پر راضی ہوں۔ نبی مکرم بھی اس دن مکہ میں تشریف فرما تھے، آپ نے تمام مسلمانوں سے فرمایا کہ مجھے تمہاری ہجرت کا مقام دکھایا گیا وہاں کھجور کے درخت ہیں اور یہ جگہ دو پتھریلے میدانوں کے درمیان میں واقع ہے۔ یہ سن کر کچھ لوگ مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے اور حبشہ سے بھی اکثر مسلمان مدینہ کی طرف چل دیئے اور ابوبکر نے بھی تیاری کرلی۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر سے فرمایا تھوڑا انتظار کریں مجھے امید ہے کہ مجھے بھی اجازت مل جائے گی۔ ابوبکر نے عرض کیا میرے باپ آپ پر قربان ہوں کیا آپ کو امید ہے؟ رسول اللہ نے فرمایا ہاں۔ ابوبکر نے خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کے لئے روک لیا اور اپنی دونوں اونٹنیوں کو چار ماہ تک چارہ دیتے رہے۔

دیکھا کاندھلوی صاحب نے جو روایت پیش کی ہے اسی سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ ابوبکر کی ہجرت کا واقعہ نبوت کے پانچویں سال کا نہیں بلکہ نبوت کے تیرہویں سال کا ہے اس وقت ام المؤمنین کی عمر آٹھ سال کی ہو چکی تھی، اس عہد کی آٹھ سال کی بچی کے لئے اتنی باتیں یاد رکھنا کوئی مشکل نہیں اس گئے گزرے دور میں بھی بعض بچے سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیتے ہیں۔

کاندھلوی صاحب نے ام المؤمنین کے ان الفاظ (کہ مجھے جب اپنے ماں باپ کی شناخت ہوئی تو دونوں کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہی ہوئی) سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ام المؤمنین بعثت نبوی سے قبل پانچ چھ برس کی تھیں۔ قارئین اگر آج کوئی بچہ یہ کہے کہ میں نے اپنے والدین کو جب شناخت کیا تو وہ دونوں مسلمان تھے۔ کیا اس بچے کے بیان کو غلط کہا جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ مسلمان گھرانوں میں پیدا ہونے والے بچے جب ہوش سنبھالتے ہیں تو ان کے والدین مسلمان ہوتے ہیں، اگر عہد حاضر کے بچے کا بیان درست ہے تو پھر کیا یہ کہا جائے گا کہ یہ بچہ بعثت نبوی سے پہلے پیدا ہوا ہوگا؟

کاندھلوی صاحب لکھتے ہیں کہ اس روایت کے تین حصے ہیں پہلا حصہ ام المومنین کا مشاہداتی ہے۔ ایک حصہ وہ عامر بن فہیرۃ سے بیان کرتی ہیں اور ایک حصہ سراقہ سے بیان کرتی ہیں۔ اس روایت کے تین حصے تو ضرور ہیں، مگر اس طرح نہیں جس طرح کاندھلوی صاحب نے کہا ہے، بلکہ اس طرح ہیں اس پوری روایت کے ناقل امام زہری ہیں وہ اس روایت کا پہلا حصہ عروۃ کے توسط سے ام المؤمنین سے بیان کرتے ہیں اور دوسرا حصہ سراقہ بن جعشم کے بھتیجے اور بھائی کے توسط سے سراقہ سے بیان کرتے ہیں اور تیسرا حصہ عروہ سے بیان کرتے ہیں یعنی اس روایت کے آخری دونوں حصوں کی راویہ ام المومنین نہیں بلکہ سراقہ اور عروۃ ہیں۔

موصوف کے اس بیان کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جھوٹ میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور عربی زبان سے ان کی شناسائی بہت کم تھی۔ ہم بحمد اللہ اہلحدیث ہونے کے ناطے احادیث کو خراد مشین پر نہیں چڑھاتے البتہ جو مدعی احادیث سے اپنا من پسند نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کرتا ہے اس کا آپریشن ضرور کرتے ہیں۔

دلیل نمبر ۹

ابن ماجہ کے ترجمہ میں تحریف

مالی منفعت یا خواہشات نفسانی کی تکمیل کے لئے اسلاف کے کلام میں ترمیم و اضافہ کرنا یہود کی عادت مذمومہ تو ضرور ہے مگر کسی مسلم کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اسلامی تعلیمات سے انحراف کرتے ہوئے سنت یہود کو تازہ کرے۔ میں نہایت افسوس سے یہ الفاظ سپرد قلم کر رہا ہوں کہ کاندھلوی صاحب

کی یا تو عربی زبان سے واقفیت اس قدر محدود تھی کہ وہ ابن ماجہ کی سادہ سی عبارت کو بھی سمجھ نہیں پائے یا پھر انہوں نے اپنے مدعا کو مضبوط تر کرنے کے لئے عربی الفاظ کو ترجمہ کا غلط لباس زیب تن کر دیا۔

موصوف نے محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے لکھا ہے کہ اسامہ تو خون چاٹنے لگے اور اسے اپنے چہرے سے ہٹانے لگے۔ اس روایت کی اسنادی حیثیت کیا ہے اس پر تو بعد میں عرض کروں گا پہلے قارئین پر یہ واضح کر دوں کہ عربی کے الفاظ کیا ہیں اور ان کا صحیح ترجمہ کیا ہے؟

یہ روایت ابن ماجہ کے علاوہ طبقات الکبریٰ اور مسند احمد میں بھی ہے۔ تینوں کتابوں میں درج شدہ عبارت مع حوالہ پیش خدمت ہے۔

ابن ماجہ: **فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امیطی عنه الاذی فتقذرته فجعل یمص عنه الدم (ص ۱۴۳)**

طبقات الکبریٰ: **قالت فجعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمص شجته (ص ۴٦ ج ۴۰)**

مسند احمد: **قالت فجعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یمصه (۱۳۹، ۲۳۲ ج٦)**

اس عبارت کا ترجمہ اس طرح ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم محترم اسامہ کی پیشانی سے خون چوسنے لگے۔

کاندھلوی صاحب نے اگر جان بوجھ کر اس عبارت کا ترجمہ غلط کیا ہے تو اس کے دو اسباب ہیں:

۱۔ وہ اس ترجمہ کے ذریعے محترم اسامہؓ اور محترمہ عائشہؓ کی عمروں کے درمیان واضح فرق ظاہر کرنا چاہتے تھے تاکہ اس کے ذریعے یہ ظاہر کیا جائے کہ محترمہ عائشہؓ محترم اسامہؓ سے یقیناً پندرہ بیس سال بڑی ہوں گی۔

۲۔ احناف کے نزدیک خون ناپاک اور نواقض وضو میں سے ہے اگر وہ اس عبارت کا صحیح ترجمہ کرتے تھے تو ان کی تقلیدی عمارت میں زلزلہ آتا تھا کہ خون اگر ناپاک ہے تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خون کو اسامہؓ کی پیشانی سے اپنے لب مبارک سے کیوں چوسا۔

روایت کی اسنادی حیثیت

ابن ماجہ، ابن سعد اور امام احمد نے یہ روایت شریک عن العباس بن ذریح البھی عن عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریقہ سے روایت کیا ہے۔

شریک القاضی: ان کا نام شریک بن عبداللہ تھا۔ یہ ابو جعفر منصور کے دور میں کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے، اس طرح یہ قاضی کے لقب سے بھی مشہور ہیں۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ شریک صحیح روایت کے ساتھ غلط روایت کو بھی بیان کرتے تھے، امام ابو اسحاق جوز جانی کہتے ہیں ان کا حافظہ درست نہیں تھا۔ امام بخاری اور امام مسلم نے ان کی کسی روایت کو بھی حجت تسلیم نہیں کیا۔

البھی: ان کا نام عبداللہ تھا۔ یہ زبیر رضی اللہ عنہ کے غلام اور عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کا سماع مشکوک ہے۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ یہ اپنے اور محترمہ عائشہ کے درمیان کبھی عروہ کا نام لیتے تھے اور کبھی بلاواسطہ محترمہ عائشہ سے بھی روایت کر دیتے تھے۔ ان کی روایات اس قابل نہیں کہ اسے حجت تسلیم کیا جائے۔ (علل الحدیث)

اس روایت کی دوسری سند: یہی روایت دوسری سند سے مسند ابو یعلی اور بیہقی میں بھی ہے، دوسری سند مجالد عن الشعبی کے طریق سے ہے۔

مجالد: ان کا پورا نام مجالد بن سعید بن عمیر الھمدانی الکوفی ہے۔ مشہور ماہر فن امام یحیٰ نے انہیں ضعیف کہا ہے، امام بخاری فرماتے ہیں کہ میرے استاد ابن مہدی مجالد سے کوئی روایت نہیں لیتے تھے، امام سعید القطان کہتے ہیں کہ میں نہیں پسند کرتا کہ مجالد مجھ سے کوئی روایت بیان کرے۔ (طبقات)

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ آخر عمر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔

روایت کا تیسرا طریق: ابن عساکر نے اس روایت کو مسلم کی طرف بھی منسوب کیا ہے، مگر یہ روایت مسلم میں نہیں بلکہ ترمذی میں ہے۔ ابن عساکر نے جو الفاظ نقل کئے ہیں، وہ الفاظ ترمذی کے ہیں۔ نیز ابن عساکر نے اس روایت کے تمام طرق کو ضعیف کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ روایت مسلم میں ہوتی تو ابن عساکر اس طرق کو ضعیف قرار نہ دیتے۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اسے حسن غریب کہا ہے۔ ترمذی کی سند میں طلحہ بن یحیٰ بن طلحہ بن عبیداللہ الکوفی ہیں انہیں بعض ناقدین نے ضعیف کہا ہے اور بعض نے ثقہ بھی کہا ہے۔

اگر اس روایت کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس روایت سے محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت جو ان کی عمر سے متعلق ہے، مسترد نہیں ہوتی، کیونکہ اسی طرح کی ایک کمزور روایت اور ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسامہؓ کی ناک ان کے بچپن کی وجہ سے نہیں بلکہ بیماری کی وجہ سے بہتی تھی، اس کی تفصیل ابن عساکر نے عطاء بن یسار کے حوالے سے اس طرح بیان کی ہے:

''اسامہؓ بن زیدؓ کو مدینہ آنے کے بعد جدری کا مرض لاحق ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے مخاط ان کے منہ پر بہہ رہی تھی۔ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اسامہؓ کی اس حالت سے ناگواری ہوئی۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ عائشہ میں تشریف لائے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کا منہ صاف کیا اور انہیں چومنا شروع کر دیا۔ (ابن عساکر ص ۳۹۸ ج ۲)

یہ روایت بھی اگرچہ کمزور ہے مگر کاندھلوی صاحب کی نقل کردہ روایات کے مقابلے میں مفصل ہے۔ اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ اسامہؓ کی ناک کم عمری کی وجہ سے نہیں بہتی تھی، بلکہ بیماری کی وجہ سے بہتی تھی۔ بیمار کے خدمت کرنا کیا ہم عمر کے لئے ممنوع ہے؟ کیا آج کل ہمارے بچے اپنے بیمار عزیز واقارب کی خدمت نہیں کرتے؟ کیا بیمار کی خدمت کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ بیمار سے دس بارہ سال بڑا ہو؟

محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم ہم عمر تھے۔ علامہ ذہبی سیر الاعلام النبلاء میں رقم طراز ہیں: ''**كان سنه فى سنها**'' (سیر الاعلام النبلاء ص ۳۵۷ ج ۲)

محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور محترم اسامہؓ بن زید دونوں ہم عمر تھے، مگر رشتہ کے اعتبار سے محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا محترم اسامہؓ بن زیدؓ سے بڑی تھیں۔ اسامہؓ زیدؓ بن حارثہ کے بیٹے تھے۔ زیدؓ بن حارثہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسامہؓ اور ان کے والد سے بے حد محبت کرتے تھے اس ناطے بھی محترمہ عائشہ اسامہ بن زید کی ماں تھیں۔ ماں کے جو بیٹے کے لئے جذبات ہونے چاہئیں وہی جذبات محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اسامہؓ کے بارے میں تھے۔ نیز یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب شرعی پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ ان حالات میں ترمذی اور ابن عساکر کی روایت کے مطابق محترمہ عائشہ نے بیمار اسامہ کی مدد کرنے کا اگر اظہار فرمایا تو اس میں آخر عجوبے کی کیا بات ہے۔

دلیل نمبر ۱۰:

غزوہ بدر اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

خیالات کی دنیا میں بہہ کر مفروضے قائم کرنے کا نام تحقیق نہیں۔ تحقیق تو دلائل و براہین اور تجربات و مشاہدات سے حاصل کردہ نتائج کا نام ہے۔ کاندھلوی صاحب نے صحیح مسلم کی روایت کے

الفاظ کو بنیاد بنا کر یہ مفروضہ قائم کیا ہے۔

''اس روایت سے یہ ثابت ہوگیا کہ ام المؤمنین نو سالہ لڑکی نہ تھیں اگر وہ نو سالہ لڑکی ہوتیں تو ان کا محاذ جنگ پر جانے کا کیا مقصد؟'' محترم قارئین کاندھلوی صاحب نے مسلم کی جو روایت نقل کی ہے اس سے محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا محاذ جنگ پر حاضر ہونا ثابت نہیں ہوتا اگر کسی دوسری روایت سے محترمہ کا بدر میں پہنچنا ثابت ہو جائے تب بھی یہ ثابت ہرگز نہ ہو سکے گا کہ وہ اس وقت انیس برس کی تھیں۔ کیونکہ محاذ جنگ پر جانا اور بات ہے اور قتال میں شریک ہونا دوسری بات ہے۔ متعدد نابالغ بچوں کا غزوات میں جانا ثابت ہے کیا مقامات غزوات میں ان کی موجودگی کو بنیاد بنا کر یہ مفروضہ قائم کرلیا جائے گا کہ وہ ضرور بالغ ہوں گے۔ عورتیں اور بچے غزوات میں جا سکتے ہیں، مگر قتال میں شریک نہیں ہو سکتے، یہی وجہ ہے کہ مال غنیمت میں سے حصہ صرف انہیں کو ملتا تھا جو قتال میں شریک ہوتے تھے، عورتوں کو ان کی بہتر کارکردگی کی بنا پر انعام دیا جاتا تھا حصہ نہیں۔

غزوہ بدر تو ایک ایسا غزوہ ہے جس میں مسلمان باقاعدہ لڑائی کی نیت سے نہیں نکلے تھے۔ اہل مکہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت تباہ کرنے ان کی افرادی قوت کو کم کرنے کے لئے مسلمانوں پر اچانک حملے کرتے رہتے تھے کبھی وہ مسلم چرواہوں کو قتل کر کے ان کے جانور لوٹ کر لے جاتے اور کبھی ان کی فصلوں کو جلا دیتے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدلے کے طور پر ان کی اقتصادی ناکہ بندی شروع کر دی۔ کتاب وسنت اور آثار سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے قریش کے مقابلے کے لئے نہیں بلکہ ابوسفیان کے تجارتی قافلے کو روکنے کی غرض سے نکلے تھے۔ مزید تفصیل اور تسلی کے لئے سورۃ انفال کی آیت ۶، ۷، ۴۲ اور ۴۴ کا مطالعہ فرمائیں۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ قریش کے ایک ایسے قافلے کو روکنے کی غرض سے نکلے تھے جس کے پاس مال تھا۔ (السیرۃ النبویہ ص ۳۸۱ ج ۲)

علامہ ابن اثیر کا کہنا ہے کہ عمرو بن الحضرمی کا قتل اور ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کا تجارتی قافلہ غزوہ بدر کا سبب بنا۔ (الکامل فی التاریخ ص ۷۸ ج ۱)

حافظ ابن حجر کہتے ہیں صاحب مغازی ابن اسحاق کا کہنا ہے کہ غزوہ بدر کا سبب قریش کا تجارتی قافلہ ہے۔ (فتح الباری ص ۲۸۱ ج ۷)

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ لڑائی کے غرض سے نہیں نکلے تھے، اس لئے شرکاء کی صلاحیتوں کا

خیال رکھنا ضروری نہیں سمجھا گیا۔ اس طرح بعض نابالغ بچے بھی مقام بدر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہنچ گئے۔ مثلاً عبداللہ بن عمر، حارثہ بن سراقہ اور براء رضی اللہ عنہم۔ حارثہ بن سراقہ پانی لے رہے تھے یا لڑائی کا منظر دیکھ رہے تھے کہ انہیں تیر لگا جس سے وہ شہید ہو گئے۔ عبداللہ بن عمر اور براءؓ کو نابالغ ہونے کی وجہ سے عین لڑائی کے دن قتال میں شریک ہونے سے روک دیا۔ (بخاری کتاب المغازی)

غزوہ بدر کے موقعہ پر براء کی عمر چودہ برس تھی اور عبداللہ بن عمر کی تیرہ برس تھی۔ انہیں تو قتال میں شریک ہونے سے روک دیا گیا جبکہ محترم انس رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً بارہ برس تھی مگر ان کے بارے میں یہ صراحت نہیں کہ انہیں بھی روکا گیا، البتہ ان کی بدر میں موجودگی کی صراحت ہے جیسا کہ مسند احمد میں صحیح سند سے درج ذیل روایت ہے:

وانه سئل هل شهدت بدرا؟ فقال واين رغبت عن بدر؟

''محترم انسؓ سے دریافت کیا گیا آپ بدر میں شریک تھے، انہوں نے فرمایا بدر سے کیسے غائب ہوسکتا تھا؟''

یہ سب کچھ تحریر کرنے کا فقط مقصد یہ ہے کہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اگر بدر میں موجودگی ثابت ہوجائے تب بھی ان کی عمر انیس سال ثابت نہ ہو سکے گی، کیونکہ عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، براء بن عازب اور حارثہ بن سراقہ بدر میں حاضر ہونے کے باوجود پندرہ سال کے نہیں بن سکے۔

محترمہ عائشہؓ کی غزوہ بدر میں شرکت

محترم عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی غزوہ بدر سے پہلے ہوچکی تھی، اس لئے آپ اس وقت بالغہ تھیں، مگر غزوہ بدر میں شریک نہ تھیں۔ کاندھلوی صاحب نے محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی غزوہ بدر میں شرکت ثابت کرنے کے لئے مسلم کی جو روایت نقل کی ہے اس سے زیادہ سے زیادہ اتنا ثابت ہوسکتا ہے کہ محترمہ اس قافلے کے سات مقام شجرہ تک موجود تھیں، مگر اس سے آگے نہیں۔ کاندھلوی صاحب نے محترمہ کے حوالے سے جو لکھا ہے کہ جب ہم مقام بیداء پر پہنچے تو یہ کاندھلوی صاحب کی علمی خیانت ہے۔

مقام بدر کے دن جو واقعات پیش آئے، ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محترمہ یا تو اس قافلے

کے ساتھ مدینہ ہی سے رخصت نہیں ہوئیں یا پھر راستہ سے واپس کر دی گئیں، کیونکہ مقام روحاد پر پہنچ کر کچھ لوگوں کو مدینہ واپس کیا گیا تھا۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر کو قلیب بدر میں ڈالنے کے بعد خطاب کیا: **فهل وجدتم ما وعد ربكم حقا** (کیا تم نے اپنے رب کے وعدے کو سچ پایا ہے) اس پر محترم عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بے جان لاشوں سے مخاطب ہیں؟ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اس بات کو تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے؟ اس روایت کے راوی انسؓ بن مالک، ابوطلحہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔ محترمہ عائشہؓ آغاز میں اس کا انکار کرتی تھیں اور یہ کہتی تھیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا ہوگا کہ وہ میری اس بات کو جانتے ہیں، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے، لیکن محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو روایت مسند احمد میں ہے اس میں وہی الفاظ ہیں جو محترم ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ہیں اس سے یہ معلوم ہوا کہ محترمہ بدر میں موجود نہیں تھیں، اس لئے انہوں نے دوسرے صحابہ سے مختلف کہا اور متعدد صحابہ کے بیان کی وجہ سے بعد میں محترمہ نے اپنا موقف تبدیل کر لیا ہوگا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ محترمہ عائشہ غزوہ بدر میں شریک نہ تھیں۔

(۲) ابن سعد میں ہے: نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھجور کی لکڑیوں کا ایک سائبان بنایا گیا، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور محترم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس میں داخل ہو گئے، جبکہ سعد بن معاذ سائبان کے دروازے پر تلوار لے کر کھڑے ہو گئے۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

قال ابن اسحاق ثم عدل رسول الله صلى الله عليه وسلم الصفوف ورجع الى العريش فدخله ومعه ابوبكر وليس معه فى غيره (السیرۃ النبویہ ص ۴۱۰ ج ۲)

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کی صفیں سیدھی کرنے کے بعد سائبان میں داخل ہو گئے، آپ کے ساتھ ابوبکر بھی تھے۔ ابوبکر کے علاوہ اس سائبان میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی اور نہ تھا۔

اس کی تائید بخاری کی ایک مختصر روایت سے بھی ہوتی ہے۔ درج بالا حوالہ جات سے یہ ثابت ہوا کہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا غزوہ بدر میں شریک نہ تھیں، کیونکہ اگر وہ شریک ہوتیں تو یقیناً وہ بھی

سائبان ہی میں ہوتیں۔ اسی حقیقت کے پیش نظر محققین نے مسلم کی روایت کی وہ توجیہات بیان کی ہیں، جنہیں پڑھ کر کاندھلوی صاحب کا ہاضمہ خراب ہوگا۔ علمی مباحث میں حصہ لینا تو ان لوگوں کا کام ہے جن کا ہاضمہ اور حافظہ مضبوط ہو، اس میدان کے وہ شہسوار ہرگز نہیں بن سکتے جن کا ہاضمہ اور حافظہ مخالفین کے دلائل پڑھ کر خراب ہو جائے۔

محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی

امام نووی، علامہ ذہبی، حافظ ابن کثیر اور بعض دوسرے محققین کا یہ خیال ہے کہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی غزوہ بدر کے بعد ۲ ہجری میں ہوئی، جبکہ حافظ ابن حجر کا کہنا ہے کہ ایک ہجری شوال میں ہوئی۔ اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ کسی بھی صحیح روایت میں یہ درج نہیں کہ محترمہ کی رخصتی ہجرت کے کتنے ماہ بعد ہوئی، البتہ صحیح مسلم میں محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میرا نکاح اور رخصتی دونوں ماہ شوال میں ہوئے۔

محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا جب نکاح ہوا تو اس وقت محترمہ ساتویں سال میں داخل ہو چکی تھیں۔ (ابن حجر)

ابن جوزی کہتے ہیں: **فتزوجها رسول الله صلى الله عليه وسلم بمكته في شوال قبل الهجرة بسنتين** (فھوم اہل اثر ص ۱۹)

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محترمہ کا نکاح ماہ شوال میں ہجرت سے دو سال قبل مکہ میں ہوا تھا۔

حافظ ابن حجر اور علامہ ابن جوزی کے بیانات سے یہ واضح ہوا کہ ہجرت کے وقت محترمہ کی عمر آٹھ سال اور کچھ ماہ تھی۔ ہجرت کے آٹھویں ماہ رخصتی ہوئی اس طرح رخصتی کے وقت محترمہ کی عمر تقریباً نو سال بنتی ہے۔ اور حدیث میں بھی یہی ہے کہ نکاح کے وقت میری عمر چھ سال اور رخصتی کے وقت نو سال تھی۔ اس طرح نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت محترمہ عائشہ کی عمر تقریباً اٹھارہ سال پانچ ماہ بنتی ہے، جسے عرف عام میں تقریباً اٹھارہ ہی کہا جائے گا۔

کاندھلوی صاحب محترمہ عائشہ کی غزوہ بدر میں زبردستی شرکت ثابت کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ محترمہ کی رخصتی ۱ ہجری میں ہوئی، پھر سن ایک ہجری کو بنیاد بنا کر وہ صحیح بخاری کی دو

روایات کو غلط ثابت کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے بحمد للہ دلائل سے یہ ثابت کر دیا کہ ۱ ہجری میں رخصتی کی صورت میں بخاری کی روایات مسترد نہیں بلکہ صحیح تر ثابت ہوتی ہیں، کیونکہ اس طرح محترمہ عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں تقریباً نو سال اور پانچ ماہ رہیں، جسے عرف عام میں تقریباً نو سال ہی کہا جائے گا دس سال نہیں۔ اعشاری نظام کا بھی یہی اصول ہے کہ اگر نصف سے کم ہو تو اسے چھوڑ دیا جاتا ہے اور اگر نصف سے زیادہ ہو تو اسے پورا عدد تسلیم کرتے ہوئے ایک کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً 9.5 کو عموماً نو اور 9.7 کو عموماً دس کہا جاتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ کاندھلوی صاحب کا یہ کہنا کہ محترمہ عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں دس سال رہیں غلط اور علوم سے ناواقفیت کی بنا پر ہے۔ (یکیدون کیدا واکید کیدا)

موصوف کے بیان کردہ دیگر واقعات کی حیثیت چونکہ تاریخی ہے اس لئے اس پر کچھ لکھنا محض اپنا اور آپ کا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں اہل عرب عموماً کسر کو حذف کر دیتے ہیں۔

دلیل ۱۱:

دلیل نمبر ۱۰ کے جواب میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ غزوہ میں امدادی کاموں کیلئے نابالغ بچے اور عورتیں شرکت کر سکتی ہیں مگر قتال میں شرکت کے لئے بالغ اور مرد ہونا ضروری ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں رقم طراز ہیں (فرد من لم یبلغ ص ۲۹۱ ج ۷)

نابالغوں کو قتال میں شریک ہونے سے روک دیا جاتا تھا۔ غزوہ احد میں خواتین کی شرکت امدادی کاموں کے لئے تھی قتال کے لئے نہ تھی، کیونکہ ان کی شرکت اگر قتال کے لئے ہوتی تو پھر وہ مشکیں اٹھانے کے بجائے تلواریں اٹھاتیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابو طلحہ نے ام سلیم کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شکایت کی کہ ان کے پاس خنجر ہے یہ روایت کاندھلوی صاحب نے طبقات کے حوالے سے دلیل نمبر ۱۱ میں پیش کی ہے۔ میں قارئین سے التماس کرتا ہوں کہ کاندھلوی صاحب نے ابن سعد اور بخاری کی جو روایتیں پیش کی ہیں، انہیں پھر غور سے پڑھیں، انشاء اللہ آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ خواتین کی غزوہ احد میں شرکت امدادی کاموں کے لئے تھی، قتال کے لئے نہ تھی۔ بلوغت اور مرد ہونا قتال کے لئے شرط ہے۔ امدادی کاموں کے لئے نہیں غزوہ خندق میں خندق کی کھدائی میں بعض نابالغ صحابہ نے بھی حصہ لیا تھا۔

موصوف کا یہ کہنا کہ سمرہ بن جندب، براء بن عازب اور انس بن مالک کو غزوہ احد میں شریک ہونے سے روک دیا گیا تھا۔ یہ تاریخ وحدیث سے ناواقفیت کی بنا پر ہے۔

براء بن عازب: ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ قتال کے لئے بلوغت شرط ہے عمر نہیں۔ محترم براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں اور عبداللہ بن عمر ہم عمر تھے۔ (طبقات) مگر مجھے تو غزوہ احد میں شریک ہونے کی اجازت مل گئی (طبقات، ابن ابی شیبہ) ہم نے اس دن مشرکین کا مقابلہ کیا (بخاری) جبکہ ابن عمر کہتے ہیں کہ مجھے غزوہ احد میں قتال کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی۔ (بخاری)

سمرۃ بن جندب: سمرۃ بن جندب نے رافع کو گرادیا، اس لئے سمرۃ کو بھی قتال کی اجازت مل گئی۔ (طبری) سمرۃ بن جندب غزوہ احد میں شریک ہوئے تھے۔ (طبقات)

کاندھلوی صاحب کی تضاد بیانی

کاندھلوی صاحب نے دلیل نمبر ۱۱ میں دو متضاد باتیں تحریر کی ہیں، ایک طرف تو محترم انس رضی اللہ عنہ کو ان بچوں کے ساتھ شامل کیا ہے جنہیں غزوہ احد میں شریک ہونے کی اجازت نہیں ملی۔ دوسری طرف محترم انس کا مشاہدہ بخاری کے حوالے سے اس طرح نقل کیا ہے۔

حضرت انس فرماتے ہیں میں نے عائشہ بنت ابی بکر اور ام سلیم کو جو دیکھا وہ دونوں پائنچے چڑھائے تھیں......

محترم قارئین! کاندھلوی صاحب کی دلیل نمبر ۱۱ کو بار بار پڑھیں اور پھر بتائیں کہ حافظہ ہشام بن عروۃ کا خراب تھا یا کاندھلوی صاحب کا؟ محترم انس رضی اللہ عنہ کا مشاہداتی بیان نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں یہ عمل ایک مسلح اور تجربہ کار عورت کا تو ہوسکتا ہے، لیکن ایک دس سالہ کمسن اور ناتجربہ کار بچی کا نہیں ہوسکتا۔

کاندھلوی صاحب کا یہ بیان بھی اسلام کی تاریخ سے ناواقفی کی بنا پر ہے جبکہ حقیقت اس طرح ہے۔

محترم عبدالرحمٰن بن عوفؓ بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن لڑائی کے لئے صفیں سیدھی ہوچکی تھیں، میں نے اپنے دائیں اور بائیں دونوعمر لڑکوں کو دیکھ کر خود کو غیر محفوظ تصور کیا، میں ابھی اسی سوچ میں تھا ایک نے مجھے چپکے سے کہا چچا! ابوجہل کون سا ہے۔ میں نے کہا آپ کو اس سے کیا کام؟ وہ

کہنے لگا میں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا ہے کہ اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو اسے ضرور قتل کردوں گا یا خود شہید ہو جاؤں گا۔ پھر دوسرے نے بھی چپکے سے مجھ سے یہی باتیں کیں، ان دونوں کی باتیں سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ میری دائیں بائیں دونو عمر لڑکے نہیں بلکہ دو کہنہ مشق مرد ہیں۔ جیسے ہی ابوجہل نظر آیا۔ میں نے دونوں کو اشارے سے بتایا کہ وہ ابوجہل ہے۔ ابوجہل کو دیکھتے ہیں وہ دونوں باز کی طرح اس پر جھپٹے۔ یہاں تک کہ اسے قتل کردیا اور وہ دونوں عفراء کے بیٹے تھے (بخاری کتاب المغازی) محترم قارئین! غور فرمائیں جب عفراء کے نوعمر بیٹوں کی جرأت وشجاعت کا یہ عالم ہے تو پھر ابوبکر کی نوعمر لڑکی کی جرأت وشجاعت کا کیا عالم ہوگا۔

کاندھلوی صاحب نے غزوہ احد کو شکست سے تعبیر کر کے اسلام کے نام پر جان دینے والوں سے مذاق کیا ہے۔ کاندھلوی صاحب کتاب تو لکھنے بیٹھ گئے، مگر انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اسلام میں مجاہدین کیلئے شکست کا کوئی تصور نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین (آل عمران: ۱۳۹) ''اگر تم ایمان کے زیور سے آراستہ ہو تو پھر حزن و ملال اور غفلت کا مظاہرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کامیابی تمہارا ہی مقدر ہے۔'' ومن یقاتل فی سبیل اللہ فیقتل او یغلب فسوف نوتیہ اجرا عظیما (سورۃ نساء: ۷۴) ''اور جو اللہ کی راہ میں جنگ کرے، خواہ وہ شہید کردیا جائے، یا غلبہ حاصل کرلے ہم اسے بہت جلد اجر عظیم دیں گے۔''

اگر مسلمانوں کے جانی نقصان یا ان کے پاؤں اکھڑنے کا نام شکست ہے تو پھر یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ حیاۃ طیبہ میں غزوہ احد کے علاوہ غزوہ حنین میں بھی مسلمان شکست سے دوچار ہوئے، کیونکہ دونوں لڑائیوں میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے اور ان کا جانی نقصان ہوا ہر دو صورتوں میں تسلیم کرنا ہوگا کہ کاندھلوی صاحب کا بیان اسلامی تاریخ سے ناواقفیت کی عکاسی کرتا ہے۔

فقہ سے ناآشنائی: موصوف اسی دلیل میں رقم طراز ہیں: ''بعض ائمہ فقہا نے ابن عمر کی اس روایت کے باعث بلوغت کی حد کم از کم پندرہ سال بیان کی ہے۔''

قرآن وحدیث اور تاریخ سے نہ صرف کاندھلوی صاحب کی واقفیت محدود تھی، بلکہ جس فقہ کا قلادہ موصوف نے زیب تن فرمایا اس کے اصولوں سے بھی موصوف ناآشنا تھے، برصغیر کے ایک نامور حنفی عالم مدرسہ عالیہ ڈھاکہ کے صدر المدرسین السید محمد عمیم الاحسان بلوغت کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''والغلام یصیر بالغا بالاحتلام والاحبال والا انزال والجاریۃ تصیر بالعتا

بالاحتلام والحيض والحبل فان لم يوجد يتم لهما خمس عشرة سنته واقل سن البلوغ له اثنتا عشرة سنته ولها تسع سنين" (فقہ القواعد ص۲۱۰)

"لڑکا اس وقت بالغ ہو جائے گا جب اسے احتلام ہونے لگے یا اس میں تولیدی مادہ پیدا ہو جائے یا انزال ہو جائے اور لڑکی اس وقت بالغ ہوگی جب اسے احتلام یا حیض آنے لگے یا پھر وہ حاملہ ہو جائے اور اگر یہ علامات نہ پائی جائیں تو پھر پندرہ سال کی عمر والے لڑکوں اور لڑکیوں کو بالغ تصور کیا جائے گا اور لڑکے کی بلوغت کی کم از کم عمر بارہ سال ہے اور لڑکی کی بلوغت کی کم از کم عمر نو سال ہے۔"

اسی اصول کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ محترم انس رضی اللہ عنہ بارہ سال کی عمر میں بالغ ہو چکے ہوں گے، کیونکہ انہوں نے بارہ سال کی عمر میں غزوہ بدر میں شرکت کی تھی۔

دلیل نمبر۱۲:

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر

حسب عادت کاندھلوی صاحب نے اس دلیل کا آغاز بھی جھوٹ سے کیا ہے اس جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے نہایت مکروہ چابکدستی اور علمی بددیانتی سے کام لیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ولی الدین خطیب نے یہ لکھا ہے کہ محترمہ اسماء رضی اللہ عنہا محترمہ عائشہ سے دس سال بڑی تھیں مگر وہ اپنی اس رائے پر خود بھی مطمئن نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ آگے چل کر محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"واعرس بها بالمدينه في شوال سنته اثنتين من الهجرة على راس ثماني عشرا شهرا ولها تسع سنين" (مشکوٰۃ: ۶۱۲)

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد شوال ۲ ہجری میں شب باش ہوئے اس وقت محترمہ کی عمر نو برس تھی۔

حافظ ابن حجر اور علامہ ابن کثیر نے یہ تو تحریر کیا ہے کہ محترمہ اسماء رضی اللہ عنہا کا انتقال سو برس

کی عمر میں ۷۳ یا ۷۴ ہجری میں ہوا، مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی اپنی کسی بھی کتاب میں یہ تحریر نہیں کیا کہ محترمہ اسماء رضی اللہ عنہا محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس برس بڑی تھیں، جبکہ علامہ ذہبی کے قول کا ترجمہ کرتے وقت علمی خیانت جیسے ناقابل معافی جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے۔

علامہ ذہبیؒ کا قول اور کاندھلوی صاحبؒ کی خیانت

سیر الاعلام میں علامہ ذہبی محترمہ اسماء رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:
''کانت اسن من عائشه ببضع عشر سنته'' (ص ۲۰۸ جلد ۲) محترمہ اسماء رضی اللہ عنہا محترمہ عائشہ سے دس سال سے کچھ زیادہ سال بڑی تھیں۔

بضع (کچھ) کا استعمال۔

مابین الثلاث الی التسع یقال بضع سنین (المنجد) بضع کا لفظ تین سے نو تک کے لیے بولا جاتا ہے۔ (دینی لغات)

البضع یقال ذالک لما بین الثلاث الی العشر وقیل فوق الخمس ودون العشر (فقہ القواعد) لفظ بضع کا استعمال تین سے دس تک کے لئے استعمال ہوتا ہے جبکہ بعض کا خیال ہے کہ چھ سے نو تک کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

یہاں قرآن میں لفظ بضع سنین آیا ہے۔ یہ لفظ تین سے نو تک صادق آتا ہے۔ (مفتی محمد شفیع)

درج بالا بیانات سے یہ واضح ہوا کہ لفظ بضع کا استعمال عربی زبان میں تین سے نو تک کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ امام ذہبی نے ببضع عشر سنتہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ عربی لغت کے اعتبار سے امام ذہبی کے یہ الفاظ تیرہ سال سے انیس سال تک دلالت کرتے ہیں، مگر صارفی قرائن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ محترمہ اسماء رضی اللہ عنہا عائشہ رضی اللہ عنہا سے اٹھارہ یا انیس برس بڑی تھیں۔

خارجہ دلائل سے بضع کا تعین

اس پر تقریباً تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ محترمہ اسماء رضی اللہ عنہا کا انتقال سو برس کی عمر میں

ہوا، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ان کا انتقال ۷۳ ھجری میں ہو یا ۷۴ ہجری میں۔ اگر یہ ثابت ہوجائے کہ محترمہ کا انتقال ۷۳ ہجری میں ہوا تو پھر محترمہ اسماء رضی اللہ عنہا محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے انیس برس بڑی ہوں گی اور اگر ان کا انتقال ۷۴ ہجری میں تسلیم کرلیا جائے تو یہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اٹھارہ برس بڑی ہوں گی۔ ان تمام دلائل کو جمع کرنے کے بعد یہ نتیجہ حاصل ہوا کہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا محترمہ اسماء رضی اللہ عنہا سے اٹھارہ یا انیس برس چھوٹی تھیں۔ علامہ ذہبی نے لفظ بضع کا استعمال کر کے اسی اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

درج بالا دلائل سے یہ واضح ہوا کہ محترمہ اسماء اور محترمہ عائشہ کی عمروں کے درمیان دس سال کا دعویٰ محض خام خیالی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس پر تمام مورخین، محدثین، محققین اور ناقدین کا اتفاق ہے کہ رخصتی کے وقت محترمہ عائشہ کی عمر نو سال تھی۔

حافظ ابن کثیر کا قول فیصل

تزوجها وهی ابنة ست وبنی بها وهی ابنة تسع مالا خلاف فیه بین الناس

(البدایہ والنہایہ ص ۱۳۱ جلد ۳)

اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ نکاح کے وقت محترمہ کی عمر چھ برس تھی اور رخصتی کے وقت نو برس تھی۔

حافظ ابن کثیر کے اس قول فیصل کے بعد مزید کسی محقق کے بیان کی اگرچہ ضرورت نہیں تاہم ان بزرگوں کی تحقیق پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں جن کے نام موصوف نے دلیل ہذا میں لئے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب محترمہ عائشہؓ سے نکاح کیا اس وقت محترمہ کی عمر چھ برس تھی یہ بھی کہا گیا ہے کہ سات سال تھی ان دونوں روایات کے مابین تطبیق یہ ہے کہ اس وقت محترمہ اپنی عمر کے چھ سال مکمل کر کے ساتویں سال میں داخل ہوچکی تھیں، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب محترمہ سے شب باش ہوئے تو اس وقت محترمہ کی عمر نو برس تھی۔ (اصابہ)

عبدالرحمٰن بن ابی الزناد کی شہادت

محترمہ کی عمر نکاح کے وقت چھ برس تھی اور رخصتی کے وقت نو برس تھی۔

(طبقات الکبریٰ ص۸۲ جلد ۸)

علامہ ذہبیؒ کا بیان

محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی نو برس کی عمر میں ہوئی۔ (سیر الاعلام ص۱۳۵ ج ۲)

دلیل نمبر ۱۳:

اس دلیل میں بھی موصوف نے حسب عادت بددیانتی کا ارتکاب کیا ہے طبری کی اصل عبارت اس طرح ہے:

تزوج ابوبکر فی الجاهلیته قتیلة فولدت له عبدالله واسماء وایضا تزوج فی الجاهلیته ام رمان..... فولدت له عبدالرحمن وعائشه فكل هولاء الاربعة من اولاده ولدو امن زوجتیه اللتین سمینا هما فی الجاهلیته.

ابوبکر نے عہد جاہلیت میں قتیلہ سے شادی کی۔ اس سے ابوبکر کے دو بچے عبداللہ اور اسماء پیدا ہوئے۔ اسی طرح ام رمان سے بھی زمانہ جاہلیت میں شادی کی اس سے بھی ابوبکر کے دو بچے عبدالرحمٰن اور عائشہ پیدا ہوئے۔ یہ چاروں بچے ابوبکر کی ان دونوں بیویوں سے ہیں جن کا ذکر ہم نے دور جاہلیت میں کیا ہے۔

اصول ترکیب اور طبری کے دیگر بیانات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فی الجاهلیته "سمینا" کے متعلق ہے۔ یعنی یہ چاروں بچے ان دونوں بیویوں سے ہیں جن کا نام ہم نے دور جاہلیت میں لیا ہے۔

مؤرخ طبری نے کئی ایک بار اس بات کا اظہار کیا ہے کہ محترمہ عائشہ کا نکاح چھ برس کی عمر میں ہوا اور رخصتی نو برس کی عمر میں ہوئی۔

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ فی الجاہلیۃ ولدوا کے متعلق ہے (یعنی چاروں بچے زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئے) تب بھی یہ ثابت نہیں ہو سکے گا کہ محترمہ عائشہ نبوت سے پہلے پیدا ہوئیں، کیونکہ عہد جاہلیت کے اختتام اور عہد اسلام کے آغاز کے بارے میں زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔

نامور حنفی عالم مفتی السید عمیم الاحسان رقم طراز ہیں:

الجاهلية هي مدة الفترة التي كانت بين عيسى عليه السلام وبين بعثة النبي صلى الله عليه وسلم وقيل ما قبل فتح مكه (قواعد الفقہ ۲۴۵) اس سے مراد وحی کے انقطاع کا وہ زمانہ ہے جو عیسیٰ علیہ السلام اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مابین ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر فتح مکہ تک کا زمانہ عہد جاہلیت ہے۔

بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ عہد اسلام کا آغاز ہجرت نبوی سے ہوتا ہے۔ محترمہ اسماء رضی اللہ عنہا اور محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا اسی خیال کی حامی ہیں۔ عبداللہ بن زبیر سن ایک ہجری میں پیدا ہوئے ان کے بارے میں محترمہ اسماء فرماتی ہیں: "**كان اول مولود ولد في الاسلام**" (بخاری) عبداللہ بن زبیر پہلے بچے ہیں جو عہد اسلام میں پیدا ہوئے۔

محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "**اول مولود ولد في اسلام عبدالله بن الزبير**" (بخاری) عبداللہ بن زبیر وہ پہلے بچے ہیں جو زمانہ اسلام میں پیدا ہوئے۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: "**فكان اول مولود ولد في الاسلام من المهاجرين**" (البدایہ والنہایہ ص ۲۳۰ ج ۳ السیرۃ النبویہ ص ۲۳۱ ج ۲) مہاجرین میں سے جو پہلا بچہ عہد اسلام میں پیدا ہوا وہ عبداللہ بن زبیر ہے۔

ممکن ہے کہ طبری کے نزدیک بھی عہد اسلام کا آغاز ہجرت نبوی ہی سے ہوتا ہو، اس لئے انہوں نے ابوبکر کے چاروں بچوں کی پیدائش کو زمانہ جاہلیت میں بتلایا ہے۔

جن لوگوں کے نزدیک عہد اسلام کا آغاز بعثت نبوی سے ہوتا ہے، انہوں نے محترمہ عائشہ، محترم اسامہ، محترم عبداللہ بن جعفر اور بعض دوسرے بچوں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ عہد اسلام میں پیدا ہوئے۔ مثلاً علامہ ذہبی محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں رقم طراز ہیں:

عائشه ممن ولد في الاسلام وهي اصغر من فاطمه بثمانية سنين و كانت تقول لم اعقل ابوى الا وهما يدينان الدين (سیر الاعلام ص ۱۳۹ ج ۲) محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا شمار ان بچوں میں ہوتا ہے جو عہد اسلام میں پیدا ہوئے۔ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا محترمہ فاطمہ سے آٹھ سال چھوٹی تھیں اور وہ فرمایا کرتی تھیں کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اپنے والدین کو دین اسلام پر ہی دیکھا ہے۔

(محترمہ فاطمہ کی پیدائش پر تفصیل سے بحث آخر میں کریں گے۔ انشاء اللہ)

جس طرح زمانہ جاہلیت کا اختتام کب اور عہد اسلام کا آغاز کب اور کہاں سے ہوتا ہے میں اختلاف پایا جاتا ہے اسی طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ زمانہ جاہلیت کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے اس میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ محترم عیسیٰ علیہ السلام اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین بھی بعض نبی آئے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ حنظلہ بہ صفوان واصحاب جرجیس کی طرف، جرجیس ملوک موصل اور خالد العبس بنو اضاعہ کی طرف اسی دوران بھیجے گئے اور بعض کا کہنا یہ ہے کہ اس دوران کوئی نبی نہیں بھیجا گیا۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اہل توحید کی جماعت عرصہ دراز تک قائم رہی۔ ذوالقرنین کا عہد بھی محترم عیسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین ہیں (المسعودی) ظاہر ہے اس کے عہد کو دور جاہلیت نہیں کہا جا سکتا۔

السابقون الاولون کی تحقیق

کاندھلوی صاحب نے مختلف مورخین کے حوالوں سے السابقون الاولون کی جو فہرستیں جاری کی ہیں وہ باہم متضاد ہیں۔ موصوف اگر علم و بصیرت جیسی نعمت سے بہرہ ور ہوتے ہیں تو یقیناً ان فہرستوں کو بطور دلیل کے پیش نہ کرتے کیونکہ یہ ایک ایسی تاریخی کہانی ہے جس کی تائید کتاب و سنت سے ہرگز نہیں ہوتی، پھر اس کہانی پر مورخین بھی باہم متحد نہیں۔ نیز ان میں سے کسی ایک کے پاس کوئی ٹھوس شہادت بھی نہیں ظاہر ہے ایسی حالت میں درج قول کی شناخت کرنا محال ہے۔

موصوف نے ابن ہشام کے حوالے سے جو فہرست جاری کی ہے، اس میں محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رمان رضی اللہ عنہا، محترم عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ام الفضل رضی اللہ عنہا، ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں صاحبزادیاں رضی اللہ عنہم، خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا، ام جمیل رضی اللہ عنہا، محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترم ام ایمن رضی اللہ عنہا اسلام کی شہید اول سمیہ رضی اللہ عنہا، عمار بن یاسر اور یاسر وغیرہ کے نام نہیں ہیں جبکہ موصوف نے اس دلیل میں ابن سعد کے حوالے سے ام الفضل رضی اللہ عنہا کو دوسری مسلم خاتون قرار دیا ہے اور آٹھویں دلیل میں موصوف یہ ثابت کر چکے ہیں کہ محترمہ عائشہؓ کی والدہ محترمہ عائشہؓ سے پہلے ایمان لائی تھیں۔ علامہ ابن کثیرؒ کی طرف سے جاری کردہ فہرست میں مذکورہ ناموں کے علاوہ قدامہ رضی اللہ

عنہ اور عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام بھی نہیں ہیں۔ حکیم عبدالرؤف داناپوری کی طرف سے جاری کردہ فہرست میں خبابؓ بن الارت کا نام گیارہویں نمبر پر ہے جبکہ ابن ہشام کے مطابق ان کا نمبر محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد ہے۔ حکیم صاحب کی تصریح کے مطابق جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن جحش محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پہلے اسلام لائے تھے، جبکہ ابن ہشام اور ابن کثیر کی فہرستوں میں ان کے نام محترمہ عائشہ سے پہلے نہیں ہیں۔ مورخین کے ان متضاد بیانات کو بطور حجت قاطع کے پیش کرنا کہاں کی عقل مندی اور علمیت ہے؟

موصوف نے اس دلیل میں بھی حسب عادت تحریف کو تحقیق کا نام دیا ہے، کیونکہ موصوف نے ابن ہشام اور ابن کثیر کے حوالوں سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے یہ نام فہرست میں ترتیب وار پیش کئے ہیں، حالانکہ انہوں نے نہ صرف ایسا کوئی دعوی نہیں کیا بلکہ رواۃ کے اختلافات نقل کر کے یہ واضح کیا ہے کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ ابن کثیر ۴۳۱ پر لکھتے ہیں سب سے پہلے محترمہ خدیجہؓ پھر محترم علیؓ اور پھر محترم ابوبکرؓ اسلام لائے صفحہ ۴۳۲ پر لکھتے ہیں سب سے پہلے محترم ابوبکر اسلام لائے اور صفحہ ۴۳۶ پر لکھتے ہیں سب سے پہلے محترم زید بن حارثہ اسلام لائے۔ ان اقوال میں سے وہ کسی قول کو بھی راجح قرار نہیں دے سکے۔ بنابریں انہیں ان اقوال کے مابین تطبیق کے ماسوا کوئی اور راستہ نظر نہیں آیا۔ چنانچہ انہوں نے ان اقوال کے درمیان اس طرح مطابقت پیش کی ہے کہ خواتین میں سب سے پہلے محترمہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، غلاموں میں محترم زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، بچوں میں محترم علی رضی اللہ عنہ اور آزاد مردوں میں محترم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اسلام لائے۔

صفحہ ۴۴۱ پر لکھتے ہیں کہ محترم حمزہ رضی اللہ عنہ سے پہلے ۳۹ افراد اسلام لا چکے تھے۔ ان کے ایک یا دو دن بعد محترم عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا ان کے بعد محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام ہے۔ ۴۴۷ پر محترم ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں میں چوتھا نمبر میرا ہے۔ ممکن ہے کہ آزاد مردوں میں محترم ابوذر غفاری کا چوتھا نمبر ہو کیونکہ مجموعی لحاظ سے تو ایسا ممکن نہیں۔

علامہ ابن کثیر نے محمد بن اسحاق کے حوالے سے محترم ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تک جو فہرست مرتب کی ہے اس میں ہر نام کے بعد لفظ ثم کا استعمال ہے لفظ ثم اس بات کی علامت ہے کہ ان کی تحقیق کے مطابق یہاں تک تو نام ترتیب سے ہیں جبکہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے نام کے بعد لفظ واؤ کا

استعمال کیا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ اس کے بعد فہرست کا ترتیب سے ہونا کوئی یقینی نہیں، کیونکہ واؤ صرف جمع کے لئے ہوتا ہے ترتیب کے لئے نہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے **انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ واوحینا الی ابراھیم واسماعیل واسحاق ویعقوب والاسباط وعیسیٰ وایوب ویونس و ھارون و سلیمان و اتینا داؤد زبورا** (سورۃ النساء آیت: ۱۶۳)

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ مذکورہ تمام انبیاء محترم نوح علیہ السلام کے بعد اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل تشریف لائے، مگر اس ترتیب سے نہیں آئے جیسا کہ قرآن حکیم ہی کی صراحت سے یہ واضح ہوتا ہے۔ **وورث سلیمان داؤد** (سورۃ النمل آیت: ۱۶) محترم سلیمان علیہ السلام محترم داؤد علیہ السلام کے جانشین بنے، کیونکہ محترم سلیمان علیہ السلام محترم داؤد علیہ السلام کے بعد آئے۔ اس طرح قرآن حکیم میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ محترم عیسیٰ علیہ السلام محترم ہارون علیہ السلام کے بعد آئے جبکہ درج بالا آیت قرآنی میں محترم عیسیٰ کا نام محترم ہاورن علیہ السلام سے پہلے ہے اور محترم سلیمان علیہ السلام کا نام محترم داؤد علیہ السلام سے پہلے ہے۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ واؤ ترتیب کو ظاہر نہیں کرتا عربی زبان سے معمولی سی واقفیت رکھنے والے ابتدائی طلباء بھی یہ جانتے ہیں کہ حرف واؤ جمع کو ظاہر کرتا ہے اور صرف ثم ترتیب کو ظاہر کرتا ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کاندھلوی صاحب ثم اور واؤ کا یہ فرق کیوں نہیں سمجھ سکے۔

ابن ہشام نے جو فہرست نقل کی ہے اس میں سب سے پہلے محترم علی رضی اللہ عنہ کا نام ہے پھر محترم زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا ہے اور پھر محترم ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پھر محترم عثمان رضی اللہ عنہ کا ہے۔ ابن ہشام نے بھی یہ فہرست ابن اسحاق سے روایت کی ہے، یہاں بھی ابن اسحاق نے محترم ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ تک حرف ثم استعمال کیا ہے، ان کے بعد حرف واؤ استعمال کیا ہے' ابن کثیر اور ابن ہشام نے یہ فہرست ابن ہشام (اسحاق) کے حوالے سے نقل کی ہے۔ یہ وہی محمد بن اسحاق ہیں جنہیں کاندھلوی صاحب نے فاتحہ خلف الامام نامی کتاب جھوٹ کے پلندہ میں سراپا عیوب کہا ہے بددیانتی کے اس مجموعہ کی عبارت اس طرح ہے:

اس روایت کے یہ عیوب یہیں پر ختم نہیں ہوتے بلکہ مزید عیب خود محمد بن اسحاق کی ذات ہے اسے سراپا عیوب کہا جائے تو زیادہ موزوں ہوگا۔ (فاتحہ خلف الامام صفحہ ۸۵)

کاندھلوی کے اندھے مقلدین ومعتقدین سے میری یہ گزارش ہے کہ محمد بن اسحاق اگر واقعی سراپا عیوب ہیں تو پھر آپ یہ بتائیں کہ سراپا عیوب کی بات کو جو بطور دلیل کے پیش کرتا ہے وہ کون ہوگا؟

محترم قارئین! دروغ گوئی، مفاد پرستی اور بددیانتی فقط کاندھلوی تک محدود نہیں بلکہ یہ وصف موصوف کا موروثی ہے۔

اس گروہ کو محترم علی اور ان کے گھرانے سے خاص نفرت ہے یہی وجہ ہے کہ موصوف نے ابن ہشام کی روایت میں تحریف کر کے یہ نقل کردیا ہے کہ خدیجہ کے بعد ابوبکر اسلام لائے۔ حالانکہ ابن ہشام نے محترم ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام محترم علی رضی اللہ عنہ کے بعد تحریر کیا ہے۔ موصوف نے ابن ہشام کے بیان میں دوسری تحریف یہ کی ہے کہ ابن ہشام کے بیان کو بنیاد بنا کر یہ کہا ہے کہ ام المؤمنین عائشہؓ حضرت عمر کے اسلام لانے سے کافی قبل سن ایک نبوت میں مشرف با اسلام ہو چکی تھیں۔

ابن ہشام نے نہ تو یہ تصریح کی ہے کہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا محترم عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لائیں اور نہ یہ تصریح کی ہے کہ محترم عائشہ رضی اللہ عنہا کونسے سن نبوت میں اسلام لائیں موصوف کا یہ بیان شیطانی الہام کا آئینہ دار ہے۔

حکیم عبدالرؤف داناپوری نے ابن ہشام سے اختلاف کرتے ہوئے محترم علی سے پہلے محترم ابوبکر کا محترم عثمان سے قبل محترم زبیر کا، محترم سعد بن ابی وقاص سے قبل محترم طلحہ کا اور محترم ابوعبیدہ سے پہلے محترم ابوسلمہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام تحریر کر کے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ ابن اسحاق نے جو نام حرف ثم سے نقل کئے ہیں ان کی ترتیب بھی یقینی نہیں ہے۔

حکیم عبدالرؤف صاحب کی پیش کردہ ترتیب کے مطابق محترمہ عائشہ کا نام اکتیسویں نمبر پر ہے مگر کاتب کی غلطی سے اس پر نمبر ۱۷ لکھا گیا ہے۔ عقل کے اس پوجاری نے یہاں پہنچ کر عقل کو طلاق بائنہ دیکر نقل سے حلالہ کرلیا اور مکھی پر مکھی مارتے ہوئے کہا کہ حکیم عبدالرؤف نے محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر سترھویں نمبر پر کیا ہے، حالانکہ حکیم صاحب کی تصریح کے مطابق محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اکتیسواں نمبر ہے فہرست درج ذیل ہے:

ابوبکر، علی، زید بن حارثہ، زبیر، عثمان بن عفان، عبدالرحمٰن، طلحہ، سعد بن ابی وقاص (عورتوں میں) خدیجہ، لبابہ، خباب بن الارت، سعید بن زید، فاطمہ بنت الخطاب، عبداللہ بن مسعود، عثمان بن

مظعون، ارقم، ابوسلمہ، عبدالاسد، ابوعبیدہ، قدامہ، عبیدہ بن الحارث، جعفر، اسماء بنت عمیس، عبداللہ بن جحش، ابواحمد سائب، مطلب، رملہ، عمیر، اسماء بنت ابی بکر، عائشہ بنت ابی بکر۔

طبری نے السابقون الاولون کا ذکر کرنے سے پہلے یہ اعتراف کیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ خدیجہ کے بعد کون اسلام لایا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ علی اسلام لائے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ابوبکر اسلام لائے۔ بقول طبری کے اس میں بھی اختلاف ہے کہ تیسرے نمبر پر کون اسلام لایا عمرو بن عتبہ کا کہنا ہے کہ مجھ سے پہلے نبی مکرم صلی اللہ علیہ کے ساتھ ابوبکر اور بلال اسلام لائے جبکہ ابوذر نے بھی ایسا ہی دعویٰ کیا ہے۔ ابوذر کا یہ قول طبری کے علاوہ ابن کثیر نے بھی نقل کیا ہے۔

مسعودی نے ''مروج الذہب'' میں اس اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے تین قول نقل کئے ہیں:

(۱) بعض کا خیال ہے کہ پہلے ابوبکرؓ، پھر بلالؓ اور پھر عمرو بن عتبہ اسلام لائے۔

(۲) ایک گروہ کا خیال ہے کہ عورتوں میں خدیجہؓ اور مردوں میں علیؓ۔

(۳) کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ سب سے پہلے زید بن حارثہ پھر خدیجہ اور پھر علیؓ۔

دمیاطی اور ابن سعد کا خیال ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے خدیجہ اور ام الفضل ہیں جبکہ حافظ ابن حجر ان سے اتفاق نہیں کرتے ان کا کہنا یہ ہے کہ ام الفضل قدیم الاسلام تو ہیں مگر ان کا شمار السابقون الاولون میں نہیں ہوتا۔ حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ عورتوں میں خدیجہؓ کے بعد ام ایمنؓ اسلام لائیں یا سمیہؓ اسلام لائیں۔

خلاصہ کلام کون کب اسلام لایا یہ معمہ کبھی حل نہ ہوسکے گا۔ کیونکہ اس اختلاف کے متعدد اسباب ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

(۱) اسلام قبول کرنے والوں کو سخت سزائیں دی جاتی تھیں، اس لئے کئی ایک نے اپنے اسلام کو عرصہ دراز تک ظاہر نہیں کیا اور بعض نے فوراً اعلان کردیا جیسے ابوبکر، بلال، عمار وغیرہم۔ حافظ ابن حجر سعد بن ابی وقاص کے قول پر اظہار خیال فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ آغاز اسلام میں مسلمان اپنے اسلام کو چھپائے رکھتے تھے، اس لئے سعد بن ابی وقاص اور عمار بن یاسرؓ کے خیالات باہم متعارض ہیں۔

(۲) جس عہد میں اسلام کا آغاز ہوا اس عہد میں اہل عرب کے ہاں تاریخ سازی کا رواج نہ تھا، اس لئے کسی کو بھی اسلام قبول کرنے والوں کی فہرست ترتیب دینے کا خیال نہیں آیا۔

(۳) مکی زندگی میں مسلمان اس قدر نحیف و ناتواں تھے کہ انہیں دیکھ کر یہ خیال کیسے آسکتا تھا کہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے یہ افراد دنیا کے امام ہوں گے۔

(۴) اس دور میں جو بھی اسلام قبول کرتا تھا وہ خالص اللہ کو راضی کرنے کے لئے اسلام قبول کرتا تھا، اس لئے اس بات کی ہرگز ضرورت نہ تھی کہ وہ تحقیق کرے کہ اسلام قبول کرنے میں اس کا کونسا نمبر ہے۔

اس دلیل میں کاندھلوی صاحب نے چند اور بھی شیطانی الہام بیان فرمائے ہیں۔ مثلاً

(۱) ابن سعد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے جو عورت ایمان لائیں وہ حضرت خدیجہ ہیں ان کے بعد ام الفضل ہیں جو حضرت عباس کی زوجہ تھیں پھر اسماء بنت ابی بکر اور عائشہ ہیں۔

جناب یہ عبارت ابن سعد میں تو نہیں ہے۔ ابن شیطان کی کسی کتاب میں ہو تو کچھ کہہ نہیں سکتا۔ ابن سعد نے تو صرف یہ لکھا ہے کہ خدیجہ کے بعد ام الفضل نے اسلام قبول کیا جبکہ حافظ ابن حجر نے ام الفضل کو السابقون میں شمار نہیں کیا۔

ان کانت قدیمة الاسلام الا انها لم تذکر فی السابقین (فتح الباری ۲۴ ج ۷)

اُمّ الفضل اگرچہ قدیم الاسلام ہیں، مگر انہیں سابقون میں شمار نہیں کیا جاتا۔

کاندھلوی صاحب کا جھوٹ

صدق وسچائی میں عالمی ریکارڈ قائم کرنا تو خاصا مشکل کام ہے، اس لئے کاندھلوی صاحب نے سوچا ہوگا کہ کذب وافتراء (جھوٹ) میں ہی عالمی ریکارڈ قائم کر لیتے ہیں۔ بقول شخصے بدنام ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا؟

موصوف نے پندرھویں دلیل میں آغاز سے لیکر اختتام تک جھوٹ پر سہارا کئے رکھا ہے۔ دلیل کا آغاز اس طرح کرتے ہیں:

مورخین کا ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ ام المومنین کا جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا اس سے قبل ام المومنین کا رشتہ جبیر بن مطعم سے پکا ہو چکا تھا۔

موصوف کی یہ عبارت پڑھ کر یقین ہو چکا ہے کہ اگر جھوٹ بولنے پر نوبل انعام ملتا تو یقیناً سب سے پہلے کاندھلوی صاحب کو ملتا۔ برادرم کتب تاریخ اس بات پر شاہد ہیں کہ مورخین کا اس

بات پر اتفاق ہرگز نہیں ہے۔ البتہ اس موضوع پر بعض مورخین نے چند ضعیف طرق ضرور بیان کئے ہیں، ان طرق میں سے دو طریق کاندھلوی صاحب نے بطور دلیل کے پیش کئے ہیں۔ یہ دونوں طریق نہایت کمزور ہیں۔

پہلی روایت: ابن سعد کی پہلی روایت کی سند میں دو راوی ناقابل اعتبار ہیں۔ (۱) **محمد بن السائب الکلبی الکوفی:** اسے امام بخاری، امام نسائی اور امام یحییٰ بن سعید نے متروک الحدیث کہا ہے۔ خود ابن سعد کہتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک اس کی روایات میں بڑا ضعف ہے۔ (ابن سعد ۳۸۰ ج ۴) (۲) **ابو صالح:** اس کے بارے میں خود اس کے اپنے شاگرد کا بیان ہے کہ ابو صالح نے مجھے کہا کہ آپ سے جو بھی روایت بیان کرتا ہوں وہ جھوٹی ہوتی ہے۔ (کتاب الضعفاء) حبیب بن ابی ثابت کہتے ہیں ہم نے اس کا نام دروغ زن رکھا تھا کہ کاندھلوی کے پسندیدہ محدث ابن مہدی نے اس کی روایت لینے سے انکار کیا ہے۔ (تاریخ الصغیر)

دوسری روایت: اس روایت میں تین خرابیاں ہیں:

(۱) یہ روایت مرسل ہے، کیونکہ عبداللہ بن ابی ملیکہ تابعی ہیں تابعی کی مرسل مردود ہوتی ہے۔

(۲) اس روایت میں دوسری خرابی یہ ہے کہ اس سند میں الاجلح نامی ایک راوی ہے اس پر محدثین نے سخت جرح کی ہے۔ امام قطعان کہتے ہیں کہ اس کا حافظہ اس قدر کمزور تھا کہ اسے یہ بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ اس نے حسین بن علی کہا ہے یا علی بن حسین کہا ہے۔ امام احمد کہتے ہیں الاجلح اور مجالد دونوں روایت حدیث میں ضعیف ہیں۔ امام ابو حاتم کہتے ہیں الاجلح حدیث میں قابل بھروسہ نہیں امام نسائی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ امام جوزجانی نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے، امام ابوداؤد نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، خود ابن سعد نے اسے بہت زیادہ ضعیف قرار دیا ہے، ان تمام خرابیوں کے باوجود اس کا تعلق کوفہ کے اہل تشیع سے تھا۔

(۳) اس روایت میں تیسری خرابی یہ ہے کہ اس روایت کا متن کاندھلوی صاحب کے موقف کے بھی خلاف ہے، کیونکہ کاندھلوی صاحب کا موقف یہ ہے کہ ام المؤمنین کا رشتہ جبیر بن مطعم سے پکا ہو چکا تھا، جبکہ اس روایت کے متن سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ محترمہ کا نکاح جبیر بن مطعم سے ہو چکا تھا تبھی تو جبیر نے محترمہ کو طلاق دی ورنہ طلاق دینے کے کیا معنیٰ؟

اگر یہ روایت کاندھلوی صاحب کے گروہ کے نزدیک صحیح ہے تو پھر میں کاندھلوی صاحب کے

گروہ سے یہ پوچھنے کی جسارت کروں گا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی منکوحہ کا رشتہ کیوں طلب کیا جسے اس کے شوہر نے اس وقت تک طلاق نہیں دی تھی؟ کیا ایسے فعل میں عصمت نبوت کی چادر داغدار نہیں ہوتی؟

کاندھلوی صاحب اس دلیل میں شبلی اور بعض مولفین پر سخت برہم ہیں، اس برہمی کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابن سعد کو اٹھا کر دیکھنے کے بجائے مکھی پر مکھی ماری ہے، ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ایسا ہی کیا ہو مگر کاندھلوی صاحب نے بھی مکھی پر مکھی ماری ہے۔ کیونکہ انہوں نے حکیم نیاز احمد صاحب کی کتاب کا چربہ اتارا ہے، یہی وجہ ہے جو غلطیاں حکیم نیاز احمد کی کتاب میں ہیں وہ کاندھلوی صاحب کے مضمون میں بھی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ کاندھلوی صاحب نے تو طبقات کو پڑھا ہی نہیں، اگر پڑھا ہے تو سمجھا ہی نہیں اور وہ طبقات کو سمجھ کر پڑھتے تو یہ دونوں روایتیں کبھی پیش نہ کرتے، کیونکہ خود صاحب کتاب نے ان روایات کے راویوں کو نا قابل اعتماد قرار دیا ہے۔

اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم (الایة) لم تقولون مالا تفعلون (الایة)

کاندھلوی صاحب نے طبری کے حوالے سے جو روایت پیش کی ہے اس کا ابتدائی حصہ شیطانی الہام پر مشتمل ہے۔ شیطانی الہام کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

ابوبکر صدیق کفار کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ گئے اور انہوں نے سن ۵ نبوت میں حبشہ کی جانب ہجرت کا ارادہ کیا تو انہوں نے سوچا کہ جانے سے پہلے اپنی بیٹی عائشہ کو سسرال کے حوالے کر جائیں اور بعد میں حبشہ کی طرف ہجرت کریں۔ میں نے اس عبارت کو الہام کا نام اس لئے دیا ہے کہ یہ الفاظ طبری کے نہیں بلکہ کاندھلوی صاحب کی اپنی ذہنی اختراع ہے، میرے اس دعویٰ کو کاندھلوی کا کوئی عقیدت مند اگر غلط ثابت کر دے تو میں زندگی بھر اس کا غلام رہوں گا۔ بصورت دیگر ان اندھے عقیدت مندوں کا یہ فرض ہے کہ وہ دنیا ہی میں کاندھلوی صاحب سے برات کا اظہار کر دیں۔

موصوف نے طبری کی روایت میں ایک اور بددیانتی یہ کی ہے کہ اس میں درج ذیل الفاظ کا اضافہ کر دیا ہے "اور تمہاری بیٹی سے یہی اندیشہ ہے" حالانکہ یہ الفاظ طبری میں نہیں ہیں اس روایت میں موصوف نے ترمیم کر کے ایک بددیانتی کا ارتکاب کیا ہے، کیونکہ اس روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب نکاح ہوا اس وقت میری عمر چھ برس تھی یہ الفاظ چونکہ کاندھلوی نے تخیلاتی قلعہ کے لئے ایٹم بم تھے اس لئے اس عبارت کو قصداً چھوڑ دیا۔ ایسی سطحی حرکتیں کرنا ایک

مسلمان عالم کی ہرگز شان نہیں۔

میر کارواں منزل بھول گئے ہیں۔

کاندھلوی صاحب کو محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی نو سال کی عمر میں رخصتی نے اس قدر پریشان کردیا کہ بیچارے کو بڑھاپے میں رجال وعلل کی کتابیں دیکھنا پڑیں کتابیں تو شاید سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں البتہ تخیلاتی دنیا آباد کرنا آ گیا، جس کے نتیجہ میں موصوف مفروضہ پر مفروضہ قائم کرتے چلے گئے۔ مفروضوں کی اس بہتات نے اس بات کو ثابت کردیا جس کا موصوف رد کرنا چاہتے تھے۔ آیئے سابقہ چند مفروضوں پر ایک نظر ڈالتے ہیں، موصوف نے دلیل نمبر ۸ میں یہ مفروضہ قائم کیا ہے کہ ام المؤمنین بعثت کے وقت پانچ چھ برس کی ضرور تھیں، چودھویں دلیل میں یہ مفروضہ قائم کیا ہے کہ محترمہ ایک سن نبوی میں مشرف با اسلام ہوچکی تھیں؟ پندرھویں دلیل میں ۵ نبوی میں محترمہ کو جوان بتا کر رخصت کررہے ہیں، موصوف کے تینوں مفروضوں کو صحیح تسلیم کرنے کی صورت میں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ محترمہ نو سال کی عمر میں جوان ہوچکی تھیں۔

کاندھلوی صاحبؒ کی عربی دانی

اس دلیل میں بھی کاندھلوی صاحب نے یا تو جھوٹ سے کام لیا ہے یا پھر انہیں عربی زبان میں پوری واقفیت نہیں، ورنہ موصوف یہ کبھی نہ کہتے کہ ''لفظ بکر (کنواری) اس امر کا ثبوت ہے کہ جب خولہ بنت حکیم نے اس کا تذکرہ کیا تو عائشہ بالغہ اور جوان تھیں، ورنہ اگر وہ چھ سال کی بچی ہوتیں تو خولہ یہ الفاظ کہتیں جاریۃ اذشیا اتنا بڑا صریح جھوٹ نہ بولتیں وہ عجمی نہ تھیں جو عربی زبان سے ناواقف ہوں؟''

یہ تو حقیقت ہے کہ محترمہ خولہ رضی اللہ عنہا عجمی نہ تھیں اور عربی زبان سے پوری طرح واقف تھیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ انہوں نے جھوٹ بھی نہیں بولا، مگر اس کھلی حقیقت کا بھی تو انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جناب کاندھلوی صاحب عجمی ہیں عربی نہیں۔ کاندھلوی صاحب کی اس دلیل سے یہ واضح ہوا کہ موصوف نے یا تو چابکدستی سے کام لیا ہے یا پھر موصوف عجمی ہونے کے ناطے عربی زبان سے ناواقف ہے۔

لفظ بکر اور لفظ جاری نہ تو ایسے مترادف ہیں کہ ہر مقام پر ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوسکیں اور نہ ہی ایسے متضاد ہیں کہ جن کا یکجا جمع ہونا محال ہو بلکہ یہ دونوں الفاظ عمر کے ایک خاص حصے تک

ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہو سکتے ہیں۔ سید محمد عمیم الاحسان حنفی قواعد الفقہ میں لفظ جاریۃ کی تعریف اس طرح کرتے ہیں: الجاریة الفتیة من النساء. اس کی مزید صراحت اس طرح کرتے ہیں: الفتیة الشابة جبکہ الشابة کی صراحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: والشابة من خمس عشر سنة الی اتسع عشر سنة. صاحب قواعد الفقہ کی اس تصریح سے یہ واضح ہوا کہ لفظ جاریۃ کا استعمال پندرہ سال کی لڑکیوں سے لیکر انیس سال کی لڑکیوں تک ہوتا ہے۔ جس طرح لفظ جاریۃ بالغ و نابالغ ہر دو طرح کی لڑکیوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح لفظ بکر بھی بالغ و نابالغ ہر دو طرح کی کنواری لڑکیوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ فقہ حنفی کی مایہ ناز کتاب قدوری میں ہے۔ یجوز النكاح الصغير الصغيرة اذا زوجهما الولی بكرا كانت الصغير او ثيباً (قدوری ص ١٣٧) قدوری کی اس عبارت میں نہ صرف لفظ بکر نابالغ بچی کے لئے استعمال بلکہ لفظ ثیب (بیوہ) بھی، اس لئے جب بالغ اور نابالغ کے درمیان تمیز کرنا مقصود ہو تو پھر لفظ بکر کی صفت استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً: ان الاب يجبر البكر غير البالغ ولا يجير البكر البالغ (بداية المجتهد) اور قدوری میں ہے: لا يجوز للولی اجبار الكبير البالغة.

فقہی کتب سے ہم نے بحمد اللہ یہ ثابت کر دیا ہے کہ لفظ جاریۃ اور لفظ بکر کا استعمال بالغ و نابالغ ہر دو طرح کی لڑکیوں کے لئے جائز ہے۔ آیئے اب کتب احادیث کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کنواری لڑکی کو بکر اور جاریۃ کہنا

عن جابر قال قال لی رسول الله صلی الله عليه وسلم هل نكحت يا جابر قلت نعم قال ماذا بكرا ام ثيباً قلت ولا بل ثيباً (بخاری)

محترم جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا کیا تم نے شادی کر لی ہے، میں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا بکر (کنواری) سے یا بیوہ سے۔ میں نے عرض کیا بیوہ سے۔ آپؐ نے فرمایا جاریة (کنواری) سے کیوں نہیں کی۔

مفسر قرآن عبداللہ بن عباسؓ کا کنواری لڑکی کو جاریۃً اور بکر کہنا

عن ابن عباس ان جارية بكرا اتت رسول الله صلى الله عليه وسلم (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ) محترم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ایک کنواری (جاریتہ) لڑکی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔

محترم عبداللہ بن عمر کا اپنی بیوی کو جاریۃ کہنا

دارقطنی میں ہے کہ محترم عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو جاریتہ کہہ کر مخاطب فرمایا۔

محترم عائشہ کا رخصتی کے بعد خود کو جاریۃ کہنا

الزهرى عن عروة لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول على باب هجرتي والجشة يلعبون الحراب في المسجد وانه يستتر في بردائه لكي انظر الى لعبهم ثم يقف من اجلي حتى اكون انا التي انصرف فاقدروا اقدر الجارية الحديثة السنن الحريصة على اللهو (سير الاعلام والنبلاء)

محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حجرہ کے دروازے پر کھڑے رہے جب تک میں وہاں سے ہٹ نہیں گئی، اس نوخیز جاریہ (لڑکی) کی کھیل سے دلچسپی کا اندازہ لگائیں۔

جارية کے مقابلے میں لفظ غلام ہے یہ لفظ بھی جارية کی طرح بالغ و نابالغ ہر دو طرح کے لڑکوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

نابالغ لڑکے کے لئے غلام کا استعمال

قال رب انى يكون لى غلام (سورۃ مریم) میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا۔ اصيب حارثه يوم بدر وهو غلام (بخاری کتاب المغازی) حارثہ بدر کے دن شہید ہوگئے اس وقت وہ لڑکے تھے۔

بالغ لڑکے کے لئے غلام کا استعمال

فاشفقت ان يوتى الناس من ناحيتى لكونى بين غلامين حديثين. (مغازی لابن

عائد) محترم عبدالرحمن بن عوف کہتے ہیں بدر کے دن میں ڈرا کہ کہیں کافر مجھ پر دونوں طرف سے حملہ آور نہ ہو جائیں، کیونکہ میرے دونوں طرف دو (غلام) نوعمر لڑکے تھے۔ بخاری میں فتیان حدیثا السن کے الفاظ ہیں۔ ان الفاظ کے بھی وہی معانی ہیں۔

کاندھلوی صاحب کا یہ کہنا کہ عربی زبان میں نابالغ لڑکی کے لئے جاریتہ اور اس لڑکی کے لئے جو بالغ ہو بکر کا لفظ بولتے ہیں، یہ ظاہر کرتا ہے کہ موصوف نے عربی زبان، فقہ، قرآن اور احادیث کی تعلیم یا تو باقاعدہ کسی مدرسہ سے حاصل نہیں کی یا پھر تلمیذ برائے خوردن بنے رہے یا پھر اسرائیل (یہودیوں) کی عربی پڑھتے رہے ہوں گے، کیونکہ اسرائیل بھی عرب ہیں۔ مسلمانوں کی عربی میں تو یہ بات ہرگز نہیں ہے جیسا کہ آپ جان چکے ہیں۔ اس دلیل میں موصوف نے قارئین کو جو شہہ پارے دیئے ہیں، ان میں ایک یہ بات بھی ہے اگر آپ کو یقین نہ آئے تو کسی کنواری لڑکی کو عورت کہہ کر تماشہ دیکھ لیجئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کی کبھی اچھی تواضع ہوئی ہوگی ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ عربی زبان میں کنواری لڑکی کو (امراۃ) عورت بھی کہا جاتا ہے۔ سورۃ قصص کی آیت نمبر ۲۳ تا ۲۷ ملاحظہ فرمائیں۔ ان میں محترم شعیب علیہ السلام کی دو کنواری صاحبزادیوں کو اللہ تعالیٰ نے (امراتان) عورتیں کہا ہے۔

اس بحث سے یہ واضح ہوا کہ عربی زبان میں کنواری لڑکی کو بکر، جاریتہ اور امراۃ وغیرہ ناموں سے پکارا جاتا ہے۔

موصوف کو اس بات کا بڑا قلق ہے کہ اگر محترمہ عائشہ نکاح کے وقت چھ برس کی تھیں تو محترمہ خولہ نے محترمہ عائشہ کے لئے بکر کیوں استعمال کیا۔ جاریتہ کیوں نہ استعمال کیا، لفظ بکر اور جاریتہ کی تشریح اگرچہ ہم بڑی تفصیل سے کر چکے ہیں، مگر موصوف کا یہ شوق بھی پورا کر دینا چاہتے ہیں تاکہ موصوف کے عقیدت مندوں کا ہمیشہ کا منہ بند ہو جائے۔ محترم قارئین اس میں تو کوئی شک نہیں کہ محترمہ خولہؓ نے محترمہ عائشہؓ کے لئے اس وقت لفظ بکر ہی کا استعمال فرمایا، مگر محترمہ کے والد ماجد محترم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس وقت محترمہ کے لئے لفظ جاریتہ استعمال کیا تھا، ملاحظہ فرمایئے:

فقالت لی ام رمان ان المطعم ابن عدی کان قد ذکرھا علی ابنہ و واللہ ماخلف

وعداقط قالت فاتی ابوبکر المطعم فقال ماتقول فی امر ھذہ الجاریة (سیر الاعلام)

محترمہ خولہ کہتی ہیں کہ مجھے محترمہ ام رمان نے کہا کہ مطعم بن عدی نے محترم ابوبکر سے اپنے بیٹے کے لئے عائشہ کی بات کی تھی اللہ کی قسم محترم ابوبکر نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ محترم ابوبکر مطعم کے پاس گئے اور اس سے کہا بتاؤ اس جاریہ (لڑکی) کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

امید ہے اس عبارت سے کاندھلوی صاحب کے عقیدت مندوں اور رفقاء کو تسلی ہوگئی ہوگی۔

کاندھلوی صاحب کے خودساختہ اصول

اس دلیل میں موصوف نے واقدی کی روایت کو یہ کہہ کر پیش کیا ہے کہ اگر چہ واقدی کذاب ہے لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ جسے ہم جھوٹا کہیں وہ ہر بات ہی میں جھوٹ بولتا ہو، ویسے بھی ہم نے اس روایت کو بطور تائید کے پیش کیا ہے۔ موصوف کے اس قول پر بہت کچھ لکھنے کی گنجائش ہے، تاہم بحث کو سمیٹتے ہوئے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ موصوف چونکہ اصول حدیث سے ناواقف ہیں اس لئے ان سے اس بات کا سرزد ہونا کوئی خلاف توقع نہیں اس بنا پر ہم ان کی اس غیر اصولی بات اس شرط پر تسلیم کر لیتے ہیں کہ کاندھلوی اور ان کے رفقاء اس خودساختہ اصول کو پہلے خود تسلیم کرلیں۔

ہم ان کے اس خود ساختہ اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے پہلے قرض ادا کرتے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ کاندھلوی صاب نے چھٹی دلیل میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ اس روایت کو ہشام بن عروۃ سے عراقیوں کے علاوہ کوئی اور بیان نہیں کرتا، ہم نے وہاں وعدہ کیا تھا کہ اس دعوے کا رد ہم سترھویں دلیل کے جواب میں کریں گے۔

ابن سعد نے یہی روایت ہشام بن عروۃ کے مدنی شاگرد عبدالرحمٰن بن ابی الزناد سے نقل کی ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی الزناد عن ہشام بن عروۃ عن عائشہ کے طریق سے محترمہ فرماتی ہیں نکاح کے وقت میں چھ سال کی تھی اور رخصتی کے وقت نو سال کی تھی۔ (طبقات الکبری صفحہ ۸۲ ج ۸)

عبدالرحمٰن بن ابی الزناد مدنی ہیں، ان کے اساتذہ ان کے والد کے علاوہ عمرو بن ابی عمرو، سہیل بن ابی صالح اور ہشام بن عروہ ہیں۔

اس روایت کو نقل کر کے ہم نے کاندھلوی صاحب کا دعویٰ بھی باطل کر دیا اور اپنا قرض بھی ادا کر دیا، تاہم اس روایت پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے اس روایت کا راوی واقدی ہے اور وہ جھوٹا ہے۔ یہ اعتراض بجا مگر ہم نے یہ روایت کاندھلوی کے رد میں انہیں کے خود ساختہ اصول کی روشنی میں پیش کی ہے۔ ہمارا یہ اقدام اصول مناظرہ کے عین مطابق ہے۔

کاندھلوی صاحب کے رفقاء اور عقیدت مندوں کو میرا ہمدردانہ مشورہ ہے کہ وہ انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اور عوام کی بھلائی کا خیال رکھتے ہوئے کاندھلوی کی اس کتاب پر خط تنسیخ کھینچ دیں اور صدق دل سے توبہ کریں کہ وہ آئندہ کبھی بھی بخاری اور مسلم کی کسی بھی روایت کو نظر شک سے نہیں دیکھیں گے۔

کاندھلوی صاحب نے جو بات ثابت کرنے کے لئے یہ اصول وضع کیا ہے، وہ بات پھر بھی ثابت نہیں ہوسکتی، کیونکہ ان کی اس دلیل کا تمام تر مدار محترم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس جملے پر ہے کہ یا رسول اللہ آپ اپنی اہلیہ کو رخصت کیوں نہیں کرا لیتے، اس میں کیا رکاوٹ ہے؟ اس جملے کو کاندھلوی صاحب نے اپنے دعوے کی تائید میں پیش کیا ہے، حالانکہ یہ جملہ ان کے موقف کے خلاف ہے، کیونکہ اس جملے سے یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ محترمہ کا نکاح اور رخصتی ایک ساتھ نہیں ہوئی، جبکہ دیگر دس امہات المؤمنین کی رخصتی نکاح کے فوراً بعد ہوئی۔ آخر اس میں کیا رکاوٹ تھی؟ اگر آپ یہ کہیں کہ مہر رکاوٹ تھی مہر تو پھر بھی اس روایت کی رو سے ابوبکر نے ہی رسول اللہ کو دیا پہلے کیوں نہ دیدیا؟ ظاہر ہے کہ مہر نہیں بلکہ محترمہ کا نابالغ ہونا رکاوٹ تھی، جیسے ہی محترمہ بالغ ہوئیں، یہ رکاوٹ ختم ہوگئی تو ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ سے کہا یا رسول اللہ! اب کونسی رکاوٹ ہے۔ قرآن وحدیث اور فقہ کی رو سے خلوت صحیح کے لئے فقط بلوغت شرط ہے، ذہنی پختگی نہیں۔ امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق ذہنی پختگی نکاح کی عمر کے دس سال بعد پیدا ہوتی ہے۔

(دلیل نمبر ۱۸)

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

کاندھلوی صاحب نے پانچویں دلیل میں ہشام بن عروۃ پر جو اعتراضات کئے تھے، ان میں

ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ امام ابوحنیفہ بھی ہشام بن عروۃ کے شاگرد ہیں، مگر انہوں نے اس روایت کو بیان نہیں کیا۔ ہمیں یہ تسلیم ہے کہ امام ابوحنیفہ اس روایت کو سنداً نقل نہیں کیا، بلکہ انہوں نے اس روایت کی روشنی میں اس روایت کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔

قال ابو حنیفہ یزوج الصغیرۃ کل من له علیها ولایته من اب وقریب وغیر ذلک (بدایة المجتهد صفحه۵ ج۲ - قدوری صفحه ۱۳۷)

امام حنیفہ نے کہا چھوٹی لڑکی کا نکاح ہر وہ کرسکتا ہے جو اس کا ولی ہو، خواہ ولی باپ ہو یا قریبی اور غیر قریبی رشتہ دار۔

اگر بیوہ نابالغہ ہو تب امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر اس کا باپ کرسکتا ہے۔ قدوری)

چاہئے تو یہ تھا کہ کاندھلوی صاحب امام ابوحنیفہ کے اس فتویٰ کے بعد اپنی اس کتاب پر نہ صرف خط تنسیخ کھینچ دیتے بلکہ صدق دل سے یہ وعدہ بھی کرتے کہ وہ آئندہ کبھی بھی کسی صحیح روایت کو عقل سقیم کے تیروں سے زخمی نہیں کریں گے، مگر موصوف نے عدل وانصاف کے منہ پر تھوکتے ہوئے امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور دیگر فقہاء کے اس متفقہ فتوے پر نہ صرف عدم اعتماد کا اظہار کیا، بلکہ یہ کہہ کر تنقید کا نشانہ بھی بنایا کہ فقہاء نے اس فتوے کے جواز کے لئے ہشام کی کہانی کو دلیل بنایا ہے اور اس مسئلہ میں اس روایت کے علاوہ کوئی اور دلیل نہیں اور جب یہ روایت ہی غلط ہے تو اس کی بنیاد پر جو نکاح صغیرہ کی عمارت پر رکھی گئی ہے وہ بھی غلط ہے؟

محترم قارئین دیکھا موصوف خود ہی کہتے تھے کہ امام ابوحنیفہ نے اس روایت کو کیوں بیان نہیں کیا اور جب انہوں نے امام ابوحنیفہ کا فتویٰ اس روایت کے موافق دیکھ لیا تو امام ابوحنیفہ اور دیگر فقہاء کے فتووں کو بھی غلط قرار دیدیا حالانکہ نکاح صغیر کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

اجمعوا ان الاب یجبر الکبر غیر بالغ (بدایة المجتهد) یعنی تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ باپ نابالغ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرسکتا ہے۔

کاندھلوی صاحب نے کنواری لڑکی سے اجازت لینے سے متعلق جو دو روایات نقل کی ہیں، وہ محترمہ عائشہؓ کی روایت کے خلاف نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین فقہاء نے ان کے درمیان تطبیق دی ہے۔

احناف اور دیگر فقہاء نے ان روایات کے درمیان تطبیق اس طرح دی ہے کہ اگر کنواری لڑکی بالغ ہے تو پھر اس کا نکاح اس کا ولی اس کی اجازت کے بغیر نہیں کرسکتا اگر کنواری لڑکی نابالغ ہے تو پھر اس کی اجازت کے بغیر کرے گا۔ جیسا کہ محترمہ عائشہ کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر کیا گیا۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ محترمہ عائشہ کا نکاح مکہ میں ہوا تھا، مکی زندگی میں کنواری لڑکی سے اجازت لینے کا مسئلہ نازل نہیں ہوا یہ حکم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدنی زندگی میں دیا تھا۔

ابن شبرمہ کہتے ہیں نابالغ لڑکی کو کیا معلوم کہ اذن کیا ہے؟ جبکہ نکاح سے پہلے اذن ضروری ہے، لہٰذا ولی کو چاہیئے کہ وہ نابالغ لڑکی کا نکاح نہ کرے۔ محترمہ عائشہ کے نکاح کے بارے میں ابن شبرمہ کہتے ہیں کہ یہ محترمہ کے خصائص میں سے ہے۔

درج بالا بیان سے یہ واضح ہوا کہ اگرچہ ابن حجر اور ابن شبرمہ نے بھی اس مسئلہ میں جمہور سے اختلاف کیا ہے، مگر انہوں نے بھی جمہور کی طرح محترمہ عائشہ کی روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے۔

(دلیل نمبر ۱۹)

کاندھلوی صاحب کی جہالت

کاندھلوی صاحب کے ترجمہ اور استنباط کی صلاحیت کو دیکھ کر ایسے لگتا ہے کہ جیسے انہوں نے کسی مدرسہ میں باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی، ورنہ موصوف روایات سے اس قسم کے بہکے بہکے استنباط نہ کرتے۔ آپ ان کی انیسویں دلیل کو پھر غور سے پڑھیں۔ موصوف پہلے یہ لکھتے ہیں کہ محترمہ فرماتی ہیں کہ میں نبی کریمؐ سے اجازت لیکر ان کی عیادت کے لئے گئی۔ اس وقت تک پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ شدت بخار سے یہ لوگ غفلت میں مبتلا تھے میں ابوبکر کے پاس گئی اور ان سے پوچھا ابا کیا حال ہے؟

اس روایت سے فقط یہ واضح ہورہا ہے کہ محترمہ اس واقعہ سے قبل رخصت ہوچکی تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیکر اپنے والد محترم کا حال احوال دریافت کرنے آئی تھیں، ظاہر ہے کہ بیماروں کا حال احوال تو نابالغ بچے بھی دریافت کر لیتے ہیں، کیا حال احوال دریافت کرنا ایسا مشکل کام ہے جس کے لئے بھولو برادران جیسی طاقت کی ضرورت پڑتی ہے۔ نہایت سادہ سی بات تھی جسے انسانی معاشرے میں بسنے والا ہر انسان بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ مگر نامعلوم یہ بات کاندھلوی صاحب کی سمجھ میں کیوں نہ آئی اور کیوں وہ بڑی حیرت سے یہ پوچھ رہے ہیں کہ اتنی اہم

ذمہ داری ایک آٹھ سالہ بچی کے کیسے سپرد کی جاسکتی ہے؟ موصوف کا یہ سوالیہ انداز پڑھ کر ایسے لگتا ہے کہ شاید انہیں عمر بھر کوئی مہذب معاشرہ میسر نہیں آیا، کیونکہ مہذب معاشروں میں تو پانچ چھ سالہ بچے بھی اپنے بیمار عزیز واقارب کا احوال پوچھ کر انہیں پانی اور دوا وغیرہ اٹھا کر دیدیتے ہیں جبکہ محترمہ عائشہ تو نہ صرف بالغ تھیں، بلکہ نہایت سمجھدار بھی تھیں۔

کاندھلوی صاحب اسی دلیل میں لکھتے ہیں کہ اشعار کو یاد رکھنا اور نقل کرنا نو سالہ بچی کا کام نہیں یہ پختہ عمر کی باتیں ہیں۔

ان کی اس بات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف تاریخ عرب سے یا تو ناآشنا تھے یا پھر تجاہل عارفانہ اختیار کئے ہوئے ہیں، ورنہ تاریخ عرب اس بات پر آج بھی گواہ ہے کہ اس دور میں قریش کی قوت یادداشت مثالی تھی، انہیں تو لڑائیوں میں استعمال ہونے والے گھوڑوں کے شجرے بھی یاد تھے، اور وہ لکھ کر یاد کرنے کو خلاف شان سمجھتے تھے۔ محترمہ عائشہ کا تعلق بھی قریش قبیلہ ہی کی ایک شاخ سے تھا اس لئے ان کا حافظہ بھی مثالی حافظہ تھا۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ نو سالہ بچوں کی قوت یادداشت مثالی ہوتی ہے آج بھی دینی ماحول میں پلنے والے آٹھ نو سالہ بچے قرآن حفظ کر لیتے ہیں، ٹیلی ویژن اور وی سی آر کے ماحول میں پلنے والے بچے فلمی گانے یاد کر لیتے ہیں، انگلش میڈیم اسکولوں میں پڑھنے والے چار پانچ سالہ ذہین بچے انگلش کی کہانیاں نظمیں اور ڈرامے یاد کر لیتے ہیں۔

اس دلیل کی بعض باتیں باہم متضاد بھی ہیں، مثلاً آغاز میں لکھتے ہیں کہ مدینہ پہنچنے کے بعد مہاجرین کو مدینہ کی آب وہوا راس نہ آئی اور وہ بیمار پڑ گئے۔ ابوبکر، بلال اور عامر بن فہیرہ بھی بیمار ہو گئے۔ محترمہ عائشہؓ ان کی عیادت کے لئے آئیں اور وہ غفلت بخار میں اشعار پڑھ رہے تھے، محترمہ نے واپس آکر ان کی حالت مع اشعار کے رسولؐ سے بیان کی۔ جبکہ آخر میں لکھتے ہیں اگر یہ مان لیا جائے کہ محترمہ نبوت کے پانچویں سال پیدا ہوئیں تو اس وقت تو گھر کا ماحول بدل چکا تھا اب وہاں شعر وشاعری کے بجائے قرآن پڑھا جاتا ہے، آخر یہ ماحول کہاں اور کس وقت میسر آیا؟ حالانکہ موصوف یہ سوال کرنے سے پہلے یہ لکھ چکے ہیں کہ یہ اشعار محترمہ عائشہ نے محترم ابوبکر، محترم بلال، محترم عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم سے سن کر ہجرت نبوی کے بعد یاد کئے تھے، اگر یہ حقیقت ہے تو پھر ان کا یہ کہنا کہ آخر یہ ماحول کہاں اور کس وقت میسر آیا ان کی ذہنی انتشار کی نشاندہی نہیں کرتا تو اور کیا

ہے؟ کاندھلوی صاحب اور ان کے رفقاء کے پاس تاریخ اور حدیث سے کوئی ایسی شہادت نہیں جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ محترمہ کی عمر رخصتی کے وقت سترہ یا اٹھارہ برس تھی یہ لوگ محض ڈھکوسلوں سے محترمہ عائشہ کی روایت کا رد کرنا چاہتے ہیں۔

(دلیل نمبر ۲۰)

یہودیوں کا شیوہ

موصوف نے محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے جس علم وفضل کا تذکرہ کیا ہے وہ ایک مسلمہ حقیقت ہے، لیکن اس سے کاندھلوی صاحب نے جو یہ استدلال کیا ہے کہ رخصتی کے وقت محترمہ پختہ عمر کی تھیں یہ غلط اور تعصب پر مبنی ہے۔ عربی میں بڑا معروف مقولہ ہے کہ: **والعلم فی الصغر کالنقش علی الحجر** کم سنی میں حاصل کیا ہوا علم اس طرح محفوظ ہوتا ہے جس طرح پتھر پر لکیر۔

بعض حقائق کو تسلیم کرنا اور بعض کا انکار کرنا شیوہ یہود تھا۔ قرآن حکیم نے ان کے بارے میں نہایت واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ وہ کہتے ہیں: **نؤمن ببعض ونکفر ببعض**. مگر اسلام پسندوں کو یہ فریب زیب نہیں دیتا۔ اللہ کاندھلوی صاحب کی اس غلطی کو معاف فرمائے کہ انہوں نے اس مضمون میں سنت یہود کو تازہ رکھا ہے۔ موصوف نے ولی الدین خطیب کے حوالے سے جو عبارت نقل فرمائی ہے، وہ عادت یہود کا شاہکار ہے، کیونکہ موصوف نے ولی الدین خطیب کی ان باتوں کو عمداً ترک کر دیا جن سے ان کا تخیلاتی محل منہدم ہوتا تھا اور ان کے وہ کلمات تحریر کر دیئے، جنہیں موصوف اپنی ڈوبتی ہوئی ناؤ کا آخری سہارا سمجھتے تھے اور ان کی اس عبارت کا ترجمہ بھی غلط کیا تاکہ ان کا خیالی مفروضہ مضبوط ہو سکے، لیکن حقیقت نہ آج تک بناوٹ کے اصولوں میں چھپائی جا سکتی ہے اور نہ آئندہ کوئی احمق اس کی امید کر سکتا ہے۔

انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ یا تو کاندھلوی صاحب ولی الدین خطیب کے فرمودات کو بطور دلیل کے پیش نہ کرتے یا پھر اپنے موقف سے رجوع کر لیتے، کیونکہ ولی الدین صاحب نے بغیر کسی ابہام کے یہ واضح کیا ہے۔ فرماتے ہیں: **ھی ام المؤمنین عائشہ بنت ابی بکر الصدیق وامھا ام رومان ابنۃ عامر بن عویمر خطبھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتزوجھا بمکۃ فی**

شوال سنةِ عشر من النبوة وقبل الهجرة بثلاث سنين وقيل غير ذلك واعرس بها بالمدينه في شوال سنة اثنتين من الهجرة على راس ثمانية عشر شهرا ولها تسع سنين وقيل دخل بهابالمدينه بعد سبعة اشهر من مقدمه وبقيت معه تسع سنين ومات عنها ولها ثمانية عشر سنة وكم تيزوج بكرا غيرها (آگے وہی عبارت ہے جو کاندھلوی صاحب نے نقل کی ہے)

محترمہ عائشہ محترم ابوبکر صدیق کی صاحبزادی ہیں، ان کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی ام رومان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے منگنی اور نکاح مکہ مکرمہ میں شوال کے مہینہ میں نبوت کے دسویں سال اور ہجرت سے تین سال قبل ہوا۔ بعض نے اس سے اختلاف بھی کیا ہے (یعنی یہ کہا ہے کہ ہجرت سے دو سال قبل ہوا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم محترمہ عائشہ کے ساتھ ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد ماہ شوال میں شب باش ہوئے، اس وقت محترمہ کی عمر نو برس تھی، بعض کا کہنا ہے کہ ہجرت کے سات ماہ بعد رخصتی عمل میں آئی، محترمہ نو سال تک نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریک حیات رہیں۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت محترمہ کی عمر اٹھارہ برس تھی، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محترمہ کے علاوہ کسی اور کنواری عورت سے شادی نہیں کی۔

اس عبارت میں خطیب صاحب نے پورے وثوق سے تحریر کیا ہے یعنی جن چاروں باتوں میں کسی بھی مؤرخ، محدث، فقیہ اور نقاد نے اختلاف نہیں کیا۔ وہ چار باتیں درج ذیل ہیں:

(۱) رخصتی کے وقت محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا نو برس کی تھیں۔

(۲) محترم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نو سال تک شریک حیات رہیں۔

(۳) نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماسوا محترمہ عائشہ کے کسی کنواری سے نکاح نہیں کیا۔

(۴) محترمہ فقیہ، عالمہ، فاضلہ، محدثہ اور عرب کی تاریخ اور اشعار سے واقف تھیں۔

کاندھلوی صاحب اور ان کے رفقاء ان تسلیم شدہ چار حقیقتوں میں سے صرف آخری حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں اور شیعہ دشمنی میں اس قدر آگے نکل گئے ہیں کہ محترمہ کو جبیر بن مطعم کی منکوحہ بنانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ (العیاذ باللہ)

کاندھلوی نے اس دلیل کو مضبوط کرنے کے لئے دوسرا قول عروۃ بن زبیر کا پیش کیا ہے اور اس کی سند کو عمداً حذف کر دیا ہے، تاکہ ان کی ہٹ دھرمی قارئین کی نگاہوں سے اوجھل رہے۔ اس

قول پر کچھ عرض کرنے سے پہلے ہم اس قول کو بمع سند نقل کرتے ہیں:

قال علی بن مسعر اخبرنا هشام عن ابیه قال ما رائیت احداً من الناس اعلم بالقرآن ولا بفریضة ولا بحلال وحرام ولا بشعر ولا بحدیث العرب ولا النسب من عائشه رضی الله عنها.

کاندھلوی صاحب چوتھی، پانچویں اور چھٹی دلیل میں اس سند کو ناقابل اعتبار قرار دے چکے ہیں، مگر بیسویں دلیل میں اس کو بطور حجت کے پیش کر رہے ہیں۔ حقیقت سے پردہ اٹھانا ہمارا کام ہے اور یہ فیصلہ کرنا قارئین کا کام ہے کہ اس سے کاندھلوی صاحب کی ہٹ دھرمی ظاہر ہوتی ہے یا پھر حافظے کی خرابی؟

نہ صرف مدنی زندگی بلکہ مکی زندگی ہی میں مسلمانوں نے تلاوت کلام پاک کو اپنا محبوب مشغلہ بنالیا تھا، مگر اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ مسلمانوں نے اشعار کو اپنے لئے شجر ممنوعہ قرار دے لیا تھا، اگر ایسا ہوتا تو عربی ادب میں اسلامی شعراء کا کوئی حصہ نہ ہوتا اور حسان بن ثابت کو شاعر رسول اللہ ؐ کا کہیں لقب نہ ملتا۔ عروۃ بن زبیر اور عبداللہ بن عباس اشعار سے نابلد رہتے کیونکہ یہ دونوں عہد اسلام میں پیدا ہوئے، جبکہ یہ حقیقت ہے کہ یہ دونوں کلام شعراء پر عبور رکھتے تھے۔ عروۃ بن زبیر کے بارے میں تو خود کاندھلوی صاحب نے بھی ابوالزناد کا یہ قول پیش کیا ہے کہ میں نے شعر و شاعری میں عروۃ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ اگر بقول کاندھلوی صاحب کے یہ تسلیم کرلیا جائے کہ مدنی زندگی میں شعر و شاعری کو دور کا واسطہ نہ تھا تو یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ عروۃ اپنے پیدا ہونے سے بھی بائیس برس پہلے شاعری میں مہارت تامہ حاصل کر چکے تھے، کیونکہ ان کی ولادت ۲۲ھ میں مدینہ میں ہوئی تھی۔ اگر عروۃ مدنی زندگی میں محترمہ عائشہؓ سے اشعار سیکھ سکتے ہیں تو پھر محترمہ عائشہؓ مدنی زندگی میں اپنے والد سے اشعار کیوں نہیں سیکھ سکتی تھیں؟

مقتولین قلیب بدر کے بارے میں محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا موقف اصحاب رسول اللہ ؐ سے مختلف تھا، محترمہ عائشہؓ کے مقابلے میں اصحاب رسول اللہ ؐ کا موقف درست[1] تھا، مسند احمد کی ایک روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ محترمہ عائشہؓ نے اپنے اس موقف سے رجوع کرلیا تھا۔ (دلیل نمبر ۲ کے جواب میں مزید تفصیل ملاحظہ فرمالیں) جہاں تک اس مسئلہ کا تعلق ہے کہ ورثاء کے رونے کی وجہ سے مردے کو عذاب ہوتا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور محترم عمر رضی اللہ عنہ

کے مابین یہ مسئلہ اختلافی تھا، مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کے درمیان جو مطابقت پیش کی ہے وہ امام بخاری کی فقاہت اور وسعت علم کی بہت بڑی دلیل ہے یعنی اس رونے سے مراد وہ رونا ہے جس میں نوحہ پایا جائے، نیز مرنے والا نوحہ کرنے کو ناپسند نہ کرتا ہو اس رونے کی وجہ سے مردے کو عذاب ہوگا اور ایسا نہیں تو پھر مردے کو ورثاء کے رونے کی وجہ سے عذاب نہیں ہوگا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ بخاری کی یہ احادیث قرآن کے خلاف نہیں۔ جہاں تک فقہاء احناف کا تعلق ہے تو وہ ہر اس حدیث کو مسترد کردیتے ہیں جو ان کی رائے کے خلاف ہو، اس لئے انہیں اہل الرائے کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے سے استدلال

رہا کاندھلوی صاحب کا یہ کہنا کہ قرآن کے خلاف حضرت عمرؓ کی پیش کردہ حدیث کی کوئی حیثیت نہیں، خواہ وہ صحیح بھی کیوں نہ ہو، ہم کاندھلوی صاحب کے رفقاء سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کیا یہ اصول صرف اسی مسئلہ میں ہے یا تمام مسائل میں؟ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو واقع کردینا نہ صرف قرآن کے خلاف ہے، بلکہ سنت کے بھی خلاف ہے۔ مگر اس کے باوجود احناف کا ان تین طلاقوں کو صرف اس لئے جاری کرنا ہے کہ محترم عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا تھا کیا حیثیت رکھتا ہے؟

اس دلیل میں کاندھلوی صاحب نے محترم عائشہ رضی اللہ عنہا کا محترمہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے اختلاف نقل کیا ہے۔ اس میں اگر نظر عمیق سے دیکھا جائے تو فاطمہ بنت قیس کا موقف درست ہے، کیونکہ محترم عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آیت کو سامنے رکھ کر یہ کہا تھا کہ ہم ایک عورت کے کہنے پر قرآن کو نہیں چھوڑ سکتے تو محترمہ فاطمہ بنت قیس نے جواباً عرض کیا تھا کہ مطلقہ کو رہائش کا حق صرف اس لئے دیا گیا ہے کہ شاید اس طرح خاوند اور بیوی کے درمیان کوئی صلح کا راستہ نکل آئے۔ لیکن تیسری طلاق کے بعد تو صلح کی تمام راہیں مسدود ہو جاتی ہیں، اس لئے قرآن کا یہ حکم اس عورت پر صادق نہیں آتا، جسے تیسری طلاق بھی مل چکی ہو۔

ان کا یہ استدلال بھی قرآن ہی کی ایک آیت سے ہے۔ یعنی محترم عمر بھی اپنے موقف کی تائید میں قرآن کی آیت پیش کرتے تھے، جبکہ محترمہ فاطمہ بنت قیس بھی اپنے موقف کی تائید میں قرآن کی آیت پڑھتی تھیں۔ جناب جب یہ صورت حال ہے تو پھر آپ بتائیں کیا اس اختلاف کو بنیاد بنا کر

قرآن کا بھی انکار کر دیا جائے گا؟

کاندھلوی صاحب نے محترمہ عائشہ کی فاطمہ بنت قیس سے متعلق تین روایات پیش کی ہیں، ان میں سے ایک روایت کا ترجمہ تو موصوف نے عمداً غلط کیا ہے، تاکہ حدیث کے خلاف نفرت کا بازار گرم کیا جائے، جبکہ ایک روایت کا ترجمہ جہالت کی بنا پر غلط کیا ہے جس روایت کا ترجمہ جہالت کی بنا پر غلط کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

عن عبدالرحمن بن قاسم عن ابیه عن عائشه انها قالت مالفاطمة الا تتقی الله

(بخاری ص ۸۵۲) قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ محترمہ عائشہ نے فرمایا کہ کیا ہے فاطمہ بنت قیس کیلئے کہ وہ اللہ سے نہیں ڈرتی۔

جبکہ کاندھلوی صاحب نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ محترمہ عائشہ نے فاطمہ بنت قیس سے مخاطب ہو کر فرمایا کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتی۔

عربی زبان سے معمولی واقفیت رکھنے والے بھی یہ جانتے ہیں کہ تتقی فعل مؤنث غائب کا صیغہ ہے، جبکہ کاندھلوی صاحب اسے فعل مؤنث حاضر سمجھ رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص عربی زبان کے بارے میں بنیادی واقفیت بھی نہ رکھتا ہو، اگر اسے محقق الانقاد کا خطاب دیدیا جائے تو پھر علم کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم و فضل اور کاندھلوی صاحب کا تجاہل عارفانہ

محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم و فضل سے متعلق روایات نقل کرنے کے بعد کاندھلوی صاحب فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین کا ادب، تاریخ، علم الانساب، محاورات عرب اور خطابت جیسے اہم مضامین پر نو سال کی عمر میں قدرت حاصل کر لینا بعید از عقل ہے۔

ہم کاندھلوی صاحب کے رفقاء سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ کس احمق نے یہ کہا ہے کہ محترمہ نے یہ سب کچھ نو سال کی عمر میں حاصل کر لیا تھا، محترمہ عائشہ پر متعدد اہل علم نے لکھا ہے مگر کسی نے دعویٰ نہیں کیا کہ یہ سب کچھ محترمہ نے نو سال کی عمر میں حاصل کر لیا تھا۔ محدثین اور مؤرخین نے تو صرف ان کے علم و فضل کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ تحریر نہیں کیا کہ سب کچھ محترمہ نے کتنے عرصے میں حاصل کیا۔ یہ موصوف کی ذہنی اختراع ہے جسے پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ

آخری عمر میں کاندھلوی صاحب کی قوت یادداشت اور عقل جواب دے گئی تھی، اس لئے وہ خیالات ہی خیالات میں مفروضے قائم کر لیتے تھے اور پھر ان کا رد کرتے رہتے تھے۔

محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا نو سال تک رسول اللہ کی شریک حیات رہیں، کیا اس طویل عرصے میں محترمہ جیسی ذہین طالبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے معلم کامل سے کتاب وسنت مکمل طور پر نہ سیکھ سکتی تھیں، جبکہ عہد حاضر میں طلباء آٹھ نو سال کے بعد مفتی اور عالم فاضل کی سندیں حاصل کر کے عوام کو یہ تاثر دینے لگتے ہیں کہ وہ علامہ، محقق اور نقاد ہیں۔ کیا محترمہ عائشہؓ ان نام نہاد محققوں اور نقادوں سے بھی کند ذہن تھیں۔ اس میں تو کوئی شک نہیں اگر طالب علم کا مقصد حصول علم ہو تو وہ آٹھ نو سال میں بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے اور اگر شاگرد طالب علم کے بجائے طالب خوراک ہو تو وہ مہد سے لحد تک شاگرد رہنے کے باوجود آسان سی عربی کا ترجمہ بھی غلط کرتا رہے گا۔

کاندھلوی صاحب جس امام کے مقلد ہیں، انہوں نے عہد شباب میں پہنچ کر تحصیل علم کا آغاز کیا تھا، مقلدین کے نزدیک امام کا ہر عمل سنت کا درجہ رکھتا ہے، خواہ وہ عمل غیر اختیاری ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کاندھلوی صاحب اور ان کے تقلیدی بھائیوں کے نزدیک انہیں حضرات کا علم معتبر ہے، جنہوں نے عہد شباب میں علم حاصل کرنے کا آغاز کیا ہو، محترمہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے چونکہ تحصیل علم کا آغاز کم سنی میں کیا تھا اور اٹھارہ سال کی عمر میں وہ فقیہ اور عالمہ، فاضلہ بن چکی تھیں یہ بات چونکہ مقلدین احناف کے خلاف جاتی تھی اس لئے کاندھلوی صاحب اور ان کے رفقاء کی یہ کوشش ہے کہ کسی طرح بھی یہ ثابت کر دیا جائے کہ محترمہ رخصتی کے وقت پختہ عمر کی عورت تھیں۔ جبکہ یہ حقیقت ہے کہ کم سنی میں حاصل کیا ہوا علم پتھر پر لکیر کی طرح محفوظ ہو جاتا ہے، جیسا کہ عربی زبان میں معروف مقولہ ہے: العلم فی الصغر کالنقش علی الحجر.

یہ بات صرف قول کی حد تک نہیں بلکہ اس کے عملی شواہدات بھی ہیں۔ عہد نبوی کے کم عمر فقیہ صحابہ عبداللہ بن عباس ان کے بارے میں ولی الدین خطیب رقم طراز ہیں کہ آپ ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر تیرہ برس تھی یہ اس امت کے بہترین عالم تھے۔

امام مسروق کہتے ہیں جب ابن عباس گفتگو کرتے تو ایسا لگتا جیسے سب سے بڑھ کر قادر الکلام یہی ہیں اور جب مسائل بیان کرتے تو ایسا لگتا جیسے آپ سب سے بڑے عالم ہیں۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت عبداللہ بن عباس تیرہ برس کے تھے، ان کا

لقب حبر الامت تھا آپ تفسیر قرآن کے بڑے ماہر تھے۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر تیرہ برس تھی، مگر یہ امام البحر اور عالم العصر تھے۔

عبداللہ بن عمرؓ ہجرت نبوی کے وقت گیارہ برس کے تھے، اس کا اعتراف کاندھلوی نے بھی دلیل نمبر ۱۱ میں کیا ہے۔ ان کے علم وفضل کا یہ عالم ہے کہ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ وہ علم کے پہاڑ تھے، محترم علی کے صاحبزادے محترم محمد بن الحنفیہ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ ابن عمر اس امت کے بہت بڑے عالم تھے۔

ابوسعید خدری ہجرت کے وقت دس برس کے تھے۔ علامہ ذہبی ان کے بارے میں لکھتے ہیں ان کا شمار اہل علم صحابہ میں ہوتا تھا۔ ولی الدین خطیب کہتے ہیں کہ ان کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جو عالم فاضل اور فقیہ تھے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص ہجرت نبوی کے وقت سات برس کے تھے۔ محترم ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ ان کے پاس بہت زیادہ علم ہے۔

زید بن ثابت ہجرت نبوی کے وقت گیارہ برس کے تھے۔ امام ذہبی ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپ کاتب وحی تھے اور قرآن کے حافظ تھے اور فرائض کے عالم تھے۔

محترم انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاۃ طیبہ میں قرآن جمع کرلیا تھا۔ امام شعبی کہتے ہیں کہ زید بن ثابت نے لوگوں کو دو چیزوں سے خوب واقف کردیا یعنی قرآن اور علم الفرائض سے۔ ولی الدین خطیب کہتے ہیں کہ آپ ہجرت نبوی کے وقت گیارہ برس کے تھے، مگر آپ کا شمار بڑے بڑے فقیہ صحابہ میں ہوتا تھا۔

سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ محترم عمر اور محترم عثمان قضاء فتویٰ، فرائض اور قرآن میں زید بن ثابت پر کسی کو مقدم نہیں رکھتے تھے۔

کیا ان صحابہ کی لیاقت وصلاحیت کو دیکھ کر یہ مفروضہ قائم کرلیا جائے گا کہ یہ صحابہ ہجرت نبوی سے قبل پچیس تیس برس کے ہوں گے؟ ایسا ہرگز نہیں ہوسکے گا، کیونکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے جہالت کے تاریک پردوں میں کوئی مولوی نہیں چھپا سکتا۔ انشاء اللہ

(دلیل نمبر ۲۱)

کنیت کا مسئلہ

کاندھلوی صاحب کی دلیل نمبر ۲۱ خود ساختہ مفروضوں پر مبنی ہے لکھتے ہیں:

عرب میں ایک دستور یہ تھا کہ جب کوئی مرد صاحب اولاد ہوتا تو بیٹے کے نام پر اپنی کنیت رکھتا اور عام طور پر کنیت پہلی اولاد کے نام پر ہوتی ہے۔

موصوف کا یہ فرمان تجاہل عارفانہ یا حقیقت ناشناسائی ہے کیونکہ اہل عرب لڑکے اور لڑکیوں کے نام پیدائش کے وقت بھی کنیت کی صورت میں رکھ دیتے تھے جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کیونکہ بکر، ابوبکر کے کسی صاحبزادے کا نام نہ تھا اس طرح آپ کا اپنی بیٹی کا نام ام کلثوم رکھنا اور یہ نام اس وقت رکھا جب وہ پیدا ہوئی تھیں اسی طرح ''ابوہریرۃ''۔

ظاہر ہے کہ ابوہریرۃ کنیت کا سبب یہ ہرگز نہیں کہ ان کے ہاں پہلی اولاد بلّی تھی۔

محترم قارئین کنیت رکھنے کیلئے اولاد کا ہونا ضروری نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم از راہ پیار صحابہ کی کنیت رکھ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح آپؐ ازراہ پیار بہت کم عمر بچوں کی بھی کنیت رکھ دیا کرتے تھے۔

عن انس قال کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یاتینا فیقول لاخ لی و کان یا اباعمیر (ابن ماجہ ص ۲۹۳، ج ۳، ابوداؤد ص ۶۳۷، ج ۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لاتے اور میرے بھائی کو جو بہت چھوٹے تھے ابوعمیر کہہ کر پکارتے تھے۔

موصوف اسی دلیل میں آگے چل کر نہایت بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے راقم طراز ہیں۔

''حضرت عائشہ کے ہاں کے خود کوئی اولاد نہیں ہوئی لیکن ایک روز فطری جذبہ سے مجبور ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ آپؐ کی تمام بیویوں نے اپنے بیٹوں کے نام سے اپنی کنیتیں رکھ لی ہیں میں کس طرح اپنی کنیت رکھوں آپؐ نے ارشاد فرمایا فاکتنی بابنیک عبداللّٰہ اپنے بیٹے عبداللہ کے نام پر کنیت رکھ لے۔

یہ روایت کاندھلوی صاحب نے ابوداؤد اور ابن ماجہ کے حوالے سے نقل کی ہے اور اس میں بھی من پسند بددیانتی کی ہے ملاحظہ فرمائیں اصل کتاب سے حدیث اور اس کا ترجمہ عن عائشہ رضی اللّٰہ عنہا انہا قالت للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کل ازواجک کنیتہٗ غیری: قالت قال فانت ام عبداللّٰہ (ابن ماجہ ص ۲۹۳، ج ۳)

ترجمہ: ام المومنین عائشہؓ صدیقہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپؐ نے اپنی سب بیبیوں کی کنیت رکھی ایک میں ہی باقی ہوں آپؐ نے فرمایا تو ام عبداللہ ہے۔

کاندھلوی صاحب کی پیش کردہ حدیث ہم نے مکمل متن اور ترجمہ کے ساتھ تحریر کی ہے آپ اسے غور سے پڑھیں اس میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ آپؐ کی ازواج مطہرات نے اپنی کنیت اپنے بیٹوں کے ناموں پر رکھی تھی۔

(دلیل نمبر ۲۲)

غزوۂ احد کا واقعہ

اس حدیث کا آغاز اس طرح کرتے ہیں:

بشر بن عقربہ سے روایت ہے کہ میرے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے۔ میں بیٹھا رو رہا تھا اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اما ترضی ان اکون اباک و عائشة امک کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ میں تیرا باپ ہوں اور عائشہ تیری ماں بنے۔

اس روایت کو بنیاد بنا کر موصوف فرماتے ہیں کہ ایک کمسن بچی کے بارے میں یہ فرمانا کہ وہ تیری ماں بنے؟

زید بن حارث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے جبکہ زید بن حارث آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محض چند برس چھوٹے تھے۔ نیز ازواج مطہرات کو اللہ تعالیٰ نے ایمانداروں کی مائیں قرار دیا ہے اس آیت کی روشنی میں محترمہ عائشہ نہ صرف ان مردوں کی والدہ ہیں جو عمر میں ان سے چھوٹے تھے بلکہ ان کی بھی والدہ ہیں جو عمر میں ان سے بڑے تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ موصوف کی یہ دلیل کوتاہ نظری کی مظہر ہے۔

(دلیل نمبر ۲۳)

کمسن لڑکیوں کا نکاح

اس کا آغاز اس طرح کرتے ہیں:

''کیا عرب میں کمسن لڑکیوں کی شادی کا رواج تھا؟''

محترم قارئین عرب میں چھوٹی عمر کے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کا رواج تھا۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف کے آخر میں اسماء الرجال کے حصے میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو اپنے والد سے عمر و ابن العاص رضی اللہ عنہما سے فقط بارہ سال چھوٹے تھے نیز سورۃ نساء کی آیت نمبر ۲۳ کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جائے گی کہ عرب میں کمسن لڑکیوں کی شادی کا رواج تھا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ محترمہ فاطمہ رضی اللہ عنہا محترمہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور محترمہ اسماء رضی اللہ عنہا کا نکاح پختہ عمر میں ہوا تھا یہ دلیل تو کاندھلوی صاحب تب دیتے اگر روایت عمر عائشہ میں یہ درج ہوتا کہ عرب میں سب لڑکیوں کا نکاح نو سال کی عمر میں ہوتا تھا حالانکہ روایت میں ایسا نہیں ہے اس قسم کے واقعات تحریر کرنا محض قارئین کا وقت ضائع کرنا ہے۔

(دلیل نمبر ۲۴)

آخری دلیل کا جواب

اس دلیل کا آغاز اس طرح کرتے ہیں کہ:

''ھشام کی اس نام نہاد روایت کے خلاف امت مسلمہ کا عملی طور پر ہمیشہ سے اجماع رہا ہے آج تک اس روایت پر کسی نے عمل نہیں کیا۔''

موصوف کا یہ فرمان بے نظیر دروغ گوئی اور مرض نسیان کا اظہار کرتی ہے کیونکہ موصوف اپنی سابقہ دلیل نمبر ۱۸ کے تحت فقہاء پر برہمی کا اظہار کر چکے ہیں کہ انہوں نے اس حدیث کو بنیاد بنا کر نابالغ لڑکی کے نکاح کے جواز کا فتویٰ کیوں دیا۔ آج بھی لوگ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے نابالغ لڑکیوں کا نکاح کرتے ہیں۔

قومی اخبار کا تراشہ

باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت ABC CERTIFIED سندھ کا دوسرا سب سے بڑا اخبار

Daily QAUMI AKHBAR Karachi

روزنامہ قومی اخبار کراچی
ایڈیٹر الیاس شاکر

قرب قیامت، پنجاب میں دس سالہ بچی نے بیٹی کو جنم دیا

ڈاکٹروں نے خدشہ ظاہر کیا تھا کہ لڑکی کی کم عمری کی وجہ سے زچگی کے دوران مرسکتی ہے

علی پور (قومی اخبار نیوز) علی پور کی بستی شیخاں کی 10 سالہ بچی نے ایک بیٹی کو جنم دیا۔ تفصیلات کے مطابق 10 سالہ (ر) جو انتہائی کم عمر میں بالغ ہوگئی تھی اور جس کے ساتھ دو افراد نے زیادتی کی اس کے بارے میں ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ وہ بچہ جنم دیتے ہوئے مرجائے گی اس نے بغیر کسی طبی امداد کے بچی کو جنم دے دیا اور زچہ بچہ سلامت ہیں۔

کراچی (قومی اخبار نیوز) پاکستان سمیت دنیا بھر میں کل انسانی حقوق کا عالمی دن منایا جائے گا۔ یہ دن ہر سال 10 دسمبر کو منایا جاتا ہے

ہماری نئی آنے والی مطبوعات

۱۔کیا حضرت عیسیٰ الصلوٰۃ والسلام کے والد تھے؟

مصنف: پیر محب اللہ شاہ صاحب راشدیؒ

۲۔انسانی اعضاء کی پیوندکاری کی شرعی حیثیت۔

مصنف: پیر محب اللہ شاہ صاحب راشدیؒ

۳۔رکعات تراویح

مصنف: پیر محب اللہ شاہ صاحب راشدیؒ

۴۔علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید کے قاتل کون؟

جمع وترتیب، حافظ محمد نعیم

۵۔علامہ احسان ظہیرؒ شہید اغیار کی نظر میں۔

جمع وترتیب، حافظ محمد نعیم

٦۔مسجد میں جماعت ثانی کا ثبوت۔

مصنف: پیر رشد اللہ شاہ صاحب راشدی پیر آف جھنڈاؒ

۷۔کیا اہلحدیث بے دین ہے؟

مصنف: مولانا عبدالعزیز نورستانی حفظ اللہ۔



ادارہ تحقیقاتِ سلفیہ کراچی پاکستان

پی۔او۔بکس نمبر 6524، پوسٹ کوڈ نمبر 74000۔کراچی، پاکستان فون:7510419